قرآن و سُنّت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد
حیدرآباد

Volume:11 Issue: 1 January 2018

مُدیر

مولانا محمد عبد القوی

www.idara.info

اشرف الجرائدمیں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ

مومن کا پہلا وصف نماز میں سکونِ قلب ہے

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ (سورۃ المؤمنون)

ترجمہ: ان ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی جو اپنی نماز میں دل سے جھکنے والے ہیں۔

تشریح: سورۃ المؤمنون کے دس آیات دراصل یہ سارے دین کا خلاصہ ہے ان آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ایک مؤمن بندہ کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہئے، جو کوئی اِن اوصاف کو اپنالے گا تو اس کو میراث میں جنت الفردوس اور حقیقی فلاح حاصل ہو جائے گی، فلاح کا معنی ہے ''ہر مراد کا پورا ہونا اور ہر تکلیف کا دور ہونا'' اور جو مؤمن بندہ بھی ان باتوں پر عمل کرے گا اس کے لئے اخروی اور کچھ دنیوی اعتبار سے انجام کار یہی فلاح مقدر ہوگی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب یہ دس آیات نازل ہوئیں تو آپ قبلہ رخ ہو گئے، اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا مانگی ''اللھم زدنا و لا تنقصنا و اکرمنا و لا تھنا، و اعطنا و لا تحرمنا، و آثرنا و لا تؤثر علینا و ارض عنا و ارضنا پھر ان دس آیات کی تلاوت کر کے ارشاد فرمایا جو ان باتوں پر عمل کرے گا وہ جنت میں جائے گا، حضرت یزید بن بابنوسؒ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: اے ام المؤمنینؓ! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ تو حضرت عائشہؓ نے جواب میں سورۂ مومنون کی یہی دس آیات تلاوت فرما دیں، پتہ چلا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آیات کا مظہر اور ان اوصاف کا عملی نمونہ تھے ان دس آیات میں مومن کامل بننے کے سات اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

یہ سورۂ مؤمنون کی ابتدائی دو آیات ہیں جس میں مومن کامل ایک اہم صفت بیان کی گئی ہے، اسلام کی اصل عبادت، جو افضل العبادات ہے، جس کی حسن ادائیگی پر تمام ارکان دین کے حسن کا دار و مدار ہے یعنی نماز اور اس میں خشوع پیدا کرنا ہے، خشوع فی الصلوۃ: سکون قلب کا نام ہے بقول حضرت تھانویؒ کے دل میں غیر اللہ کا خیال بالقصد حاضر نہ کرنا، جب قلب میں سکون رہے گا تو تمام اعضاء میں سکون رہے گا اور اگر قلب میں

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

بے قراری اور یکسوئی کی کیفیت رہے گی تو باقی تمام اعضاء بھی بے چین و بے قرار رہیں گے، حضرت ابن عباسؓ نے خشوع کا معنیٰ خوف وسکون بتلایا ہے، یعنی دل خوفِ خدا سے معمور ہو، اور اعضاء و جوارح میں سکون ہو، امام مجاہدؒ نے خشوع کی تفسیر غض البصر سے کی ہے یعنی نگاہیں جھکی رہیں، امام مسلم بن یسارؒ اور قتادہؒ نے خشوع کی تفسیر تنکیس الرأس سے کی ہے یعنی اپنے سر کو جھکا کے رکھے، حضرت علیؓ نے خشوع کے معنی ترک الالتفات بتلایا ہے یعنی نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ نہ ہو، اور بھی کچھ اقوال ہیں؛ لیکن سب کا حاصل یہ ہے کہ نمازی کے تمام اعضاء اور دل سب پُرسکون رہیں۔ اپنی نماز میں خشوع پیدا کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو پڑھ رہا ہے اور جو ارکان ادا کر رہا ہے اس پر دھیان رکھے اس درمیان میں کوئی دنیوی خیال آجائے تو اس کو اپنے دماغ میں جمانے کے بجائے اس کو ہٹادے پھر اپنا خیال نماز کی طرف لے آئے۔

نماز سے خشوع کو ختم کرنے والی بہت ساری چیزیں ہیں جو ہم میں پائی جاتی ہیں اس کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے، ہم بعض لوگ نماز میں کبھی دائیں کبھی بائیں ہوتے رہتے ہیں، ان کا قیام ایک ہیئت پر نہیں رہتا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں نماز میں میری کچھ ایسی ہی کیفیت تھی حضرت ابوبکرؓ نے مجھ کو دیکھ لیا بہت تنبیہ فرمائی پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ کہا کرتے تھے: جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے اعضاء میں سکون رکھے، یہودیوں کی طرح قیام میں اِدھر اُدھر نہ ہو کیونکہ نماز کے درمیان سکون اعضا تکملۂ نماز کا حصہ ہے، ایسے ہی نماز میں گوشۂ چشم سے اِدھر اُدھر دیکھنا یہ بھی خشوع فی الصلوۃ کے خلاف ہے، بعض لوگ نماز کے درمیان اپنی نگاہ اوپر کرتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی سخت وعید ارشاد فرمائی ہے ایسے لوگ اپنی حرکت سے باز آجائیں ورنہ ممکن ہے کہ ان کی نگاہیں اُچک لی جائیں، اس لئے احتیاط بہت ضروری ہے، احتیاطی تدابیر میں ابن سیرینؒ نے ارشاد فرمایا کہ: صحابہ کرامؓ کہا کرتے تھے اپنی نگاہوں کو اپنے سجدہ کی جگہ پر رکھو، بعض صحابہؓ فرماتے تھے کہ اپنی نگاہ کو اپنے مصلی سے آگے مت بڑھاؤ اور عادت ہی کچھ ایسی پڑ جائے کہ بے اختیار نظر اٹھ جائے تو آنکھیں پھر نیچی ہوجائیں تاکہ ہماری نماز احسن، اکمل طریقہ پر ہوجائے۔ ہم کو اس بات کی کوشش کرنا چاہئے جتنا ہو سکے نماز کو سنن و آداب کے ساتھ سنوار کے پڑھیں اور جس قدر ہو سکے دل میں سکون کو برقرار رکھیں، اپنے قلب و دماغ کو غیر اللہ کے خیالات لانے سے محفوظ رکھیں، خیالات کا آجانا، بُرا نہیں ہے بلکہ خیالات کو بسانا اس پر دھیان دینا یہ بُرا ہے، اس سے احتیاط بہت ضروری ہے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے قریب لوگوں کے درمیان سے سب سے جو چیز پہلے اٹھالی جائے گی وہ خشوع ہے، حضرت عبادہ بن صامتؓ کا ارشاد ہے کہ: ایسا زمانہ قریب آنے والا ہے تم مسجد میں جاؤ گے تو تم کو ایک آدمی بھی خاشع نظر نہیں آئے گا ہر ایک کی نماز خشوع و خضوع سے خالی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

مقبول بندوں کے دنیا سے اُٹھ جانے کا نقصان

مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی مدظلہ*

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عمروٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حتّٰی یأخُذَ اللّٰہُ شَرِیْطَتَہٗ مِنْ اَھْلِ الاَرْضِ فَیَبْقٰی مِنْھَا عُجَاجٌ، لَا یعرِفُوْنَ معرُوفاً وَلَا یُنْکِرُوْنَ مُنْکَراً (مسند احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو زمین والوں سے چھین لے گا پھر زمین پر خیر سے بے بہرہ لوگ رہ جائیں گے، جو نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھیں گے نہ کسی بُرائی کو بُرائی۔

تشریح: اس میں قیامت کی ایک علامت بتائی گئی ہے، وہ یہ کہ اللہ کے مقبول ومحبوب بندے اٹھالئے جائیں گے، یعنی یکے بعد دیگرے ان کو موت دے کر دنیا سے اٹھالیا جائے گا اور زمین پر صرف خیر سے محروم اور بے بہرہ لوگ رہ جائیں گے، جو نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھیں گے اور نہ کسی برائی کو برائی سمجھیں گے۔

یعنی حق وباطل میں ان کو کوئی امتیاز ہی نہ رہے گا اور ظاہر ہے کہ جب حق وباطل اچھے وبرے اور معروف ومنکر میں کوئی فرق وامتیاز نہ ہوگا، تو ان کی زندگی جانوروں جیسی ہوگی اور یہ بات علم شریعت اور عقل وبصیرت سے محرومی کا نتیجہ ہوگی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ میری امت شریعت پر قائم رہے گی جب تک کہ ان میں سے علم نہ اٹھالیا جائے۔

مسلمانو! آج کتنے لوگ ہیں جو دین کا علم رکھتے ہیں؟ اور اس کی روشنی میں زندگی گذارتے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مسلمانوں کو شرم آتی ہے کیونکہ اس کے جواب میں جو کہا جائے گا وہ نہایت ہی افسوس ناک صورتِ حال ہوگی بلکہ شرمناک صورت حال ہوگی۔ اور جب علم دین کی تحصیل میں مسلمان اتنا پیچھے ہے تو حقائق کو سمجھنے اور حق وباطل میں امتیاز کرنے اور معروف ومنکر کے فرق کو سمجھنے میں کتنا پیچھے ہوگا؟ چنانچہ آج بہت سے

* مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ حتیٰ کہ اسلام کے بنیادی عقیدوں کا بھی ان کو صحیح علم نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ کفریہ وشرکیہ اور ملحدانہ وزندیقانہ اعمال وافعال کو اسلام اور خالص اسلام سمجھتے ہیں، مزارات کی پوجا، اولیاء اللہ کی منتیں ماننا، جھنڈے گاڑھ کر سلامی دینا اور ان مخلوقات کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا اور ولادتِ نبوی کی تاریخ میں گانے بجانے ناچنے اور دیگر خرافات پر مشتمل جلوس نکالنا، مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے میں خالص دین اسلام بلکہ مغز اسلام اور حقیقت ومعرفت کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں جب کہ ان کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں بلکہ یہ شرکیہ وکفریہ باتیں واعمال ہیں۔

یہ سب اسی لئے ہے کہ شریعت کا علم حاصل نہیں، حضرت عباد بن عباد الخواص الشامی جو ملک شام کے فضلاء اور عابدین وزاہدین میں سے تھے، امام دارمیؒ نے ان کا ایک خط نقل کیا ہے، اس میں آپ نے ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ: ’’تم عمل سے پہلے علم حاصل کرو کیونکہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں حق وباطل مشتبہ ہوجائیں گے اور معروف منکر اور منکر معروف ہوجائے گا، پس تم میں بہت سے ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کا قرب ایسی چیزوں سے حاصل کرنا چاہیں گے جو اللہ سے دور کرنے والی ہوں گی اور اللہ سے محبت ایسی چیزوں کے ذریعہ حاصل کرنا چاہیں گے جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں۔‘‘ (دارمی: ۱/۱۰۷)

معلوم ہوا کہ علم شریعت سے جاہل رہنا انسان کو اس طرح گمراہی میں مبتلا کردیتا ہے کہ انسان حق کو باطل اور باطل کو حق اور اللہ سے دور کرنے والی باتوں کو اللہ کے قرب کا ذریعہ اور اللہ کو ناراض کرنے والی باتوں کو اللہ کی محبت کے حصول کا ذریعہ سمجھنے لگتا ہے، جیسے بدعتی لوگ مزارات پر سجدہ اور نیاز اور جھنڈوں کی سلامی ہی کو اللہ ورسول سے محبت وتعلق کی دلیل سمجھتے ہیں جب کہ یہ باتیں اللہ ورسول سے دوری پیدا کرتی ہیں۔

اسی طرح اب بہت سے مسلم ملکوں میں خالص اسلامی افعال واعمال کو معیوب سمجھا جاتا ہے جیسے داڑھی، پردہ وغیرہ اور بعض اسلامی ملکوں میں ان پر پابندی بھی ہے، گویا غیر اسلام اسلام ہے اور اسلام غیر اسلام ہے، معروف منکر ہے اور منکر معروف ہے۔

اگر یہ صورتِ حال ترقی کرتی رہی اور بے دینی ولاعلمی کی فضا آگے بڑھتی رہی تو سوچئے کہ نوبت کہاں پہنچے گی؟ اور کیا وہ صادق نہ آئے گا جو اس حدیث میں پیش گوئی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

پیش گفتار

طلاق سے متعلق حکومت کا مجوزہ قانون

تین طلاق کے مسئلے کو لے کر حکومت اور عدالت نے جو دلچسپید کھائی ہے اور ملک کے کسی بھی اہم مسئلے سے بڑھ کر اسے اہمیت دی گئی ہے اور اسے مظلوم مسلم عورتوں کے حق میں عدل وانصاف اور رأفت ورحمت بتانے کے لئے جو ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے کم ازکم اسی پر نظر کر لی جائے تو ہر صاحب عقل وخرد یہ پکار اُٹھے گا کہ ''دال میں کچھ کالا ہے'' اس لئے مسلمانوں کے ہر مفاد اور مقابلے کے میں آڑ بن جانے اور اہم ترین مسائل سے منھ پھیر لینے والی بھگوا جماعت کا کسی دینی معاملے میں اسس قدر اہمیت دینا اور تمام تر فکروں کے ساتھ مسئلے کو انجام تک پہونچانا مسلمانوں کے تئیں ان کے خلوص و ہمدردی کا عکاس کیسے ہوسکتا ہے؟ ایسا نہ ہوتا تو آندھرا پردیش اور مہاراشٹر میں مسلم تحفظات کی مخالفت کیوں کی جاتی؟، پورے ملک کی سطح پر ان کے ساتھ بے اعتنائی اور طوطا چشمی سے کیوں کام لیا جاتا؟، گاؤرکھشا کے نام ہونے والے مظالم کو کھلی چھوٹ کیوں دی جاتی؟ اور پارٹی کے فرقہ وارانہ منافرتی ذہن رکھنے والے وزراء وارا کین کی سرپرستی کیوں کی جاتی؟ اور اب تو معاملہ مساجد کی بے حرمتی اور علماء کے قتل تک پہونچ گئی ہے، آخر ایک طرف مسلم منافرت کا یہ ننگا کھیل اور دوسری جانب مسلم عورتوں کے ایک نسبتاً کہیں کم اور کم اہم مسئلے پر اتنی دلچسپی! حالات کے تناظر میں خیالات کی حقیقت تک پہونچنا اب کچھ مشکل نہیں ہے۔

بہر حال! مسلم خواتین پر حکومت کے اس احسانِ عظیم کی حقیقت پر سے پردہ اُٹھانے کے لئے میں چاہتا ہوں کہ خود کچھ لکھنے کے بجائے معروف ونامور عالم دین، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکنِ رکین حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کا مضمون جو اسی جمعہ منصف کے ''شمع فروزاں'' میں شائع ہوا ہے، بعینہٖ نقل کر دیتا ہوں۔

از: مدیر

قوموں کی بدبختی اور زوال کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقیقی مسائل سے غافل ہوجائیں اور اپنی صلاحیتیں ایسے کاموں میں صرف کرنے لگیں، جن کا کوئی فائدہ نہیں، اس وقت ہمارا ملک اسی صورت حال سے گذر رہا ہے، ملک کی معیشت مسلسل انحطاط پذیر ہے، شرح ترقی گھٹتی جارہی ہے، کارخانے

بند ہو رہے ہیں، ہمارے وزیر اعظم شاید آدھی دنیا کا سفر کر چکے ہیں؛ لیکن سرمایہ کاری میں اضافہ تو کجا، ہمارا سفر تنزل کی طرف جاری ہے، روزگار کے مواقع گھٹتے جا رہے ہیں، ملک کی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ آئی ہے، بڑے بڑے سرمایہ دار اور صنعت کار بینکوں سے بھاری قرض حاصل کر کے عوام کی گاڑھی کمائی کو ڈبو رہے ہیں، امن و قانون کی صورت حال اتنی ابتر ہو چکی ہے کہ پوری دنیا ہم پر خندہ زن ہے، یہ اور اس طرح کی بہت سی ناکامیاں ہیں، جو دوپہر کی دھوپ کی طرح معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے پر بھی واضح اور عیاں ہیں۔

بجائے اس کے کہ حکومت ان حقیقی مسائل پر توجہ کرتی، اپنے نفرت کے ایجنڈے کو بڑھاتے ہوئے اقلیتوں اور دلتوں کو پریشان کرنے اور فرقہ وارانہ بنیاد پر اپنے ووٹ بینک کو مضبوط کرنے کی بے فائدہ کوششوں میں لگی ہوئی ہے، ایسی ہی نامسعود اور ناروا کوششوں میں ایک مطلقہ خواتین سے متعلق مجوزہ قانون ہے، جسے ''مسلم خواتین سے متعلق حقوق کے تحفظ کا بل ۲۰۱۷ء'' کا نام دیا گیا ہے، بل میں کہا گیا ہے کہ طلاق بدعت (ایک ساتھ تین طلاق) اور اس کی مماثل طلاق کی وہ تمام شکلیں جو فوری طور پر اثر انداز ہوں اور جن میں رجعت کی گنجائش نہیں ہو، باطل اور غیر قانونی ہوں گی، خواہ زبانی طلاق دی جائے یا تحریر کے ذریعہ یا کسی اور ذریعہ سے، اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو اس کو تین سال کی جیل ہوگی اور اس کے علاوہ جرمانہ ہوگا، نیز اس مطلقہ عورت اور اس کے زیر کفالت بچوں کا نفقہ طلاق دینے والے شخص پر ہوگا اور مجسٹریٹ اس کو طے کرے گا، نابالغ بچوں کی نگہداشت و پرورش کا حق بھی عورت کو حاصل ہوگا، نیز مجرم کے خلاف ناقابل ضمانت وارنٹ جاری ہوگا اور یہ قابل دست اندازی پولس ہوگا۔

غور کیا جائے تو یہ مجوزہ قانون شریعتِ اسلامی میں مداخلت بھی ہے اور دستور کی روح کے مغائر بھی، نامنصفانہ بھی ہے اور خود عورتوں کے مفاد کے خلاف بھی، نیز تضادات کا حامل بھی۔

اس میں ایک پہلو تو شریعت اسلامی میں مداخلت کا ہے اور یہ مداخلت ایک آدھ مسئلہ تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ یہ کئی جہتوں سے شریعت کے عائلی قوانین کو متاثر کرتا ہے، جس کو درج ذیل نکات میں سمجھا جا سکتا ہے:

(۱) اولاً یہ قانون ''طلاقِ بدعت'' جس سے خود اس بل کی توضیحات کے مطابق ایک ساتھ دی گئی تین طلاقیں مراد ہیں، باطل، کالعدم اور غیر مؤثر قرار دیتا ہے، یعنی تین طلاق دینے کی صورت میں ایک طلاق بھی نہیں پڑے گی، یہ ایسی بات ہے جس کے غلط ہونے پر مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر متفق ہیں، ایک ساتھ دی گئی تین طلاق کا کیا اثر مرتب ہوگا؟ اس میں فقہاء کے درمیان اس بارے میں ضرور اختلاف ہے کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک ہی طلاق واقع ہوگی؟ جمہور اہل سنت کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اہل حدیث

اور شیعہ حضرات کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی؛ لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایسا نہیں ہوگا کہ ایک ساتھ دی گئی تینوں طلاقیں بالکل ہی بے اثر ہو جائیں گی، اور ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوگی، اور یہ بات عقل عام کے بھی خلاف ہے کہ کوئی شخص اپنے حق طلاق کا استعمال کرتے ہوئے ایک طلاق دے تو وہ تو واقع ہو جائے اور تین طلاق دے تو ایک بھی واقع نہ ہو۔

(۲) مجوزہ قانون کے مطابق طلاق بدعت کے ساتھ ساتھ اس کے مماثل طلاق کی وہ تمام صورتیں بے اثر ہوں گی، جن سے فوری طور پر رشتۂ نکاح ختم ہو جاتا ہو اور رجعت کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہو، گویا طلاق بائن بھی واقع نہیں ہوگی، اس کے دُوررس اثرات پڑیں گے، اگر نکاح کے بعد رُخصتی کی نوبت نہیں آئی اور کوئی ایسی صورت پیدا ہوگئی، جس کی وجہ سے نوبت طلاق کی آگئی، خواہ یہ صورت لڑکی والوں کی طرف پیدا ہوئی ہو یا لڑکا اور اس کے گھر والوں کی طرف سے، تو ایسی صورت میں اگر اس نے ایک طلاق دے دی تو یہ بھی طلاق بائن میں شامل ہے، قانون کی رو سے یہ طلاق بھی کالعدم ہوگی۔

(۳) اگر شوہر تین طلاق سے بچتے ہوئے فوری طور پر رشتۂ نکاح ختم کرنا چاہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ ایک طلاق بائن دے دی جائے؛ تاکہ نکاح ختم ہو جائے؛ لیکن دونوں فریق کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی گنجائش باقی رہے، اکثر سنجیدہ فیصلہ کے تحت اسی طرح طلاق دی جاتی ہے، اگر باہمی تعلقات خراب ہو گئے، خاندان اور سماج کے لوگوں نے محسوس کیا کہ اس رشتہ کو ختم کر دیا جائے تو شوہر سے یہی طلاق دلوائی جاتی ہے اور عورت کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں آزاد رہتی ہے، شوہر اپنی رضامندی کے بغیر اس کو اپنے نکاح میں واپس نہیں لاسکتا، اس قانون کی رو سے یہ طلاق غیر معتبر ہو جائے گی اور چاہے عورت راضی نہ ہو مرد کو حق حاصل ہوگا، وہ اس کو واپس آنے پر مجبور کرے۔

(۴) بعض دفعہ شوہر و بیوی آپسی رضامندی سے ''خلع'' کا معاملہ طے کرتے ہیں، خلع کے ذریعہ واقع ہونے والی طلاق بھی طلاق بائن ہے، مجوزہ قانون میں طلاق بائن کی ایسی صورت کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی صراحت نہیں ہے، جو عورت کی رضامندی سے دی گئی ہو؛ اس لئے عدالتیں اس طلاق کو بھی کالعدم قرار دے سکتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت نے اپنے لئے نجات و آزادی کا جو راستہ نکالا تھا، وہ بند ہو کر رہ جائے گا اور اسے ناپسندیدگی کے باوجود اس رشتہ کو باقی رکھنا پڑے گا۔

(۵) طلاق بائن ہی کی ایک صورت ''ایلاء'' ہے، یعنی اگر شوہر چار ماہ یا اس سے زیادہ یا ہمیشہ کے لئے بیوی کے ساتھ شوہر و بیوی کے مخصوص تعلقات قائم نہ کرنے کی قسم کھالے اور اس پر عمل کرنے لگے، یہاں تک

کہ چار ماہ گزر جائے تو اس کی بیوی پر آپ سے آپ ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی؛ تا کہ وہ شوہر کے اس تکلیف دہ عمل سے نجات پا سکے؛ چوں کہ طلاق کی اس صورت میں بھی رجعت کی گنجائش نہیں ہے؛ اس لئے بظاہر اِس پر بھی اِس قانون کا اطلاق ہوگا، اس کو بھی کالعدم سمجھا جائے گا اور عورت شوہر کے ظالمانہ رویہ کے باوجود اس کی قیدِ نکاح سے آزاد نہیں ہو سکے گی۔

(۶) اس مجوزہ قانون میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ طلاق کی صورت میں ایک شادی شدہ مسلمان عورت اپنے نابالغ بچوں کی نگہداشت اور پرورش کی حقدار ہوگی، اسلام نے یقیناً حق پرورش کے معاملہ میں ماں کو باپ پر ترجیح دی ہے؛ لیکن شریعت میں اصل اہمیت بچہ کے مفاد کی ہے؛ اسی لئے عام حالات میں لڑکی کے بالغ ہونے تک حق پرورش ماں کو دیا گیا ہے؛ کیوں کہ وہ زیادہ بہتر طور پر بیٹی کے مسائل کو سمجھ سکتی ہے، اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کر سکتی ہے اور اس کی تربیت کا فریضہ انجام دے سکتی ہے، لڑکے چھ سات سال تک ماں کے زیر پرورش رہیں گے، اس کے بعد باپ کو حق پرورش حاصل ہوگا؛ کیوں کہ اس عمر کے بعد باپ زیادہ بہتر طور پر بچے کی تربیت کا فریضہ انجام دے سکتا ہے؛ اور یہ مشاہدہ ہے کہ لڑکے عام طور پر ماں کے قابو میں نہیں رہتے؛ البتہ اگر بالغ ہونے کے بعد بھی لڑکی کو باپ کے حوالہ کرنا اس کے مفاد میں نہ ہو، یا لڑکے کو سات آٹھ سال تک ماں کے پاس رکھنا یا اس کے بعد اس کے باپ کے حوالہ کر دینا کسی وجہ سے بچہ کے مفاد میں نہ ہو تو بچہ کے مفاد کو ترجیح دی جائے گی، اس اُصول کو شریعت میں اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ اگر شوہر و بیوی کے درمیان اس شرط پر خلع ہو کہ بیوی بچہ کے حق پرورش سے دستبردار ہو جائے گی؛ حالاں کہ بچہ ابھی بہت چھوٹا ہو اور ماں کے بغیر نہیں رہ سکتا ہو، تب بھی بچہ کے مفاد کو ترجیح دیتے ہوئے یہ معاہدہ کالعدم ہو جائے گا اور ماں کو حق پرورش حاصل رہے گا؛ البتہ بچہ جب بھی ماں باپ میں سے ایک کے زیر پرورش ہو تو دوسرے فریق کو وقتاً فوقتاً بچوں سے ملاقات کا حق حاصل رہے گا۔

شرعاً حق پرورش بعض دفعہ ماں کے علاوہ باپ ہی کو نہیں؛ بلکہ دوسرے رشتہ داروں جیسے نانی، دادی، بہن، خالہ اور پھوپھی وغیرہ کو بھی حاصل ہوتا ہے اور جب عورت کسی ایسے مرد سے نکاح کر لے جو زیر پرورش لڑکے یا لڑکی کا محرم رشتہ دار نہ ہو تو ماں کا حق پرورش ختم ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ ایسی صورت میں بچے کو ماں کے زیر پرورش رکھنا بچوں کے مفاد میں نہیں ہوتا؛ لیکن اس مجوزہ قانون کے رو سے مطلقاً ماں کو پرورش کا حقدار قرار دے دیا گیا ہے، اس سے باپ اور دوسرے حقداروں کے حقوق متأثر ہوں گے اور خود بچوں کو نقصان پہنچے گا۔

(۷) اس مجوزہ قانون میں مطلقہ اور اس کے بچوں دونوں کا نفقہ مرد پر عائد کیا گیا ہے؛ حالاں کہ طلاق

کے بعد عورت کا نفقہ سابق شوہر پر واجب نہیں ہوتا، ہاں، بچے چوں کہ اسی کی اولاد ہیں؛ اس لئے ان کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا اور جب تک حق پرورش حاصل ہونے کی بنا پر عورت ان بچوں کی پرورش کرے گی تو پرورش کی اُجرت اس مرد کے ذمہ واجب ہوگی۔

(۸) مجوزہ قانون کی دفعہ: ۴؍ میں فوری اثر کے ساتھ پڑنے والی ناقابل رجعت طلاق پر تین سال کی جیل کی سزا اور اس کے علاوہ جرمانہ کی بات کہی گئی ہے؛ ایک تو اس لئے یہ سزا غیر منصفانہ ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق دینا شریعت میں ضرور ناپسندیدہ عمل ہے اور یہ گناہ کے دائرہ میں آتا ہے؛ لیکن طلاق بائن ایسا عمل نہیں ہے جو بہر حال گناہ کے دائرہ میں آتا ہو، یا فقہاء کی اصطلاح میں طلاق بدعت ہو؛ اس لئے اس پر سزا دینا شرعاً ناقابل قبول ہے۔

(۹) مجوزہ مسودہ قانون میں اگرچہ مقاصد واسباب کے تحت بین القوسین طلاق بدعت کے ساتھ ایک وقت اور ایک ہی بار میں تین طلاق کا ذکر آیا ہے؛ لیکن عدالتیں عام طور پر قانون کے متن کو پیش نظر رکھتی ہیں، اس میں اس کی صراحت نہیں ہے، اور صورت حال یہ ہے کہ طلاق بدعت صرف یکبارگی تین طلاق تک محدود نہیں؛ بلکہ فقہاء نے حالت حیض میں طلاق دینے کو بھی بدعت قرار دیا ہے، چاہے ایک ہی طلاق دی جائے، تو عدالتیں اس سلسلہ میں غلط فہمی کا شکار ہوسکتی ہیں اور وکلاء جو الفاظ کی بازی گری سے اپنے کیس کو ثابت کرنے میں مہارت رکھتے ہیں، وہ ایسے شخص کے لئے بھی اس طرح کی سزا کا مطالبہ کرسکتے ہیں، جس نے اس دوسرے پہلو سے طلاق بدعت دی ہو۔

یہ تو اس مجوزہ قانون کا شرعی پہلو ہے، اب اس بات کو دیکھئے کہ ازروئے انصاف یہ قانون کس حد تک قابل قبول ہے اور کہیں یہ خود تضاد کا حامل تو نہیں ہے، اس سلسلہ میں چند نکات کو پیش نظر رکھنا چاہئے:

(۱) اس قانون کی رو سے ایک ساتھ دی گئی تین طلاقیں بالکل نامعتبر اور کالعدم ہیں، جن کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، یعنی ایک بھی طلاق نہیں پڑے گی تو سوال یہ ہے کہ جو عمل وجود ہی میں نہیں آیا اور قانون کی رو سے عورت اس سے متاثر ہی نہیں ہوئی، تو پھر اس پر سزا دینے کے کیا معنی ہوں گے، اگر کسی شخص نے فضاء میں فائرنگ کی اور اس کی فائرنگ سے کسی شخص کی جان نہیں گئی تو کیا ایسے شخص کو قتل کی سزا دی جائے گی؟

(۲) اس قانون کی رو سے ایک طرف مرد کو تین سال کے لئے جیل بھیجا جائے گا اور دوسری طرف اس پر عورت اور اس کے بچوں کے نفقہ کی ذمہ داری ہوگی، یہ کھلا ہوا تضاد ہے، جب وہ جیل میں ہوگا اور محنت ومزدوری نہیں کرے گا تو وہ عورت اور بچوں کی کفالت کس طرح کرے گا؟ خاص طور پر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ تین

طلاق دینے کے واقعات زیادہ تر کم تعلیم یافتہ، غریب، اور معمولی روزگار کے حامل لوگوں کے یہاں پیش آتے ہیں، جو بے چارے روز کماتے اور روز کھاتے ہیں۔

(۳) یہ بات بھی نامنصفانہ ہے کہ دنگے فساد میں شامل ہونے والے اور مذہبی مقامات کو نقصان پہنچانے والے کو تو دو سال کی سزا ہو، کرپشن اور چار سو بیسی کرنے والے کو ایک سال کی سزا ہو؛ لیکن تین طلاق دینے والے کو تین سال کی سزا دی جائے اور اس کے علاوہ جرمانہ بھی عاید کیا جائے، یہ نہایت غیر متوازن، مبالغہ آمیز اور غیر منصفانہ سزا ہے۔

(۴) اس سزا کو مزید سخت کرنے کے لئے اس کو ناقابل ضمانت اور قابل دست اندازی پولس قرار دیا گیا ہے؛ حالاں کہ یہ کوئی ایسا جرم نہیں ہے، جس میں کسی کو جسمانی مضرت پہنچائی گئی ہو، یا عزت وآبرو پر ہاتھ ڈالا گیا ہو، کیا اس میں کوئی معقولیت ہے؟

(۵) پھر اس قانون میں یہ بات نہیں کہی گئی ہے کہ عورت کے دعویٰ کرنے پر کارروائی کی جائے گی، مجوزہ قانون مطلق ہے، بظاہر اس کا تقاضا ہے کہ اگر اس شخص کا پڑوسی یا کوئی بدخواہ بلا کسی ثبوت کے یا عورت اور اس کے گھر کے لوگ مرد کے خلاف پولیس میں شکایت کر دیں تو اس بیچارے کو ہتھکڑی لگ جائے، ایسا بے قید قانون ظلم و زیادتی کے دروازے کو کھول دے گا۔

(۶) یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ تین طلاق کے کالعدم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب شوہر تین سال کی سزا کاٹ کر آئے گا، تو پھر وہ اس عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرے گا، غور کیجئے! جو مرد اپنی بیوی کی طرف سے تین سال کی طویل سزا کاٹ کر اور خطیر جرمانہ ادا کر کے آیا ہے، کیا وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کر سکیں گے اور انھیں بزور طاقت ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا عقلمندی کی بات ہوگی؟

(۷) اس طرح کے قوانین عورت کے لئے مشکلات پیدا کریں گے، جو لوگ اپنی بیوی سے علاحدگی چاہیں گے اور ان کے لئے تین طلاق یا طلاق بائن کا راستہ بند ہو جائے گا، وہ بیوی کو لٹکا کر رکھیں گے، نہ اس کے حقوق ادا کریں گے اور نہ طلاق دیں گے، ایسی معلقہ عورت کی صورتِ حال مطلقہ سے بھی بدتر ہوتی ہے؛ کیوں کہ نہ وہ اپنے حقوق پاتی ہیں اور نہ اپنی ذات کے بارے میں آزاد ہوتی ہیں۔

(۸) یہ تو ان لوگوں کے لئے ہے، جن کے دلوں میں کچھ نہ کچھ اللہ کا خوف ہے، جن کو حلال وحرام کی فکر نہ ہو، وہ سوچیں گے کہ ساری مصیبت نکاح کرنے اور نکاح کے بعد طلاق دینے سے پیدا ہو رہی ہے؛ اس لئے

نکاح ہی نہ کیا جائے؛ بلکہ چوں کہ قانون بالغ مرد وعورت کو آپسی رضا مندی سے ایک ساتھ زندگی گزارنے اور صنفی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دیتا ہے؛ اس لئے جب تک جس کے ساتھ موافقت رہے، زندگی اس کے ساتھ گزاری جائے، اور جب جی اُکتا جائے، نیا رفیق تلاش کرلیا جائے، طلاق کو مشکل بنانا ان اہم اسباب میں سے ہے، جن کی وجہ سے اس وقت مغربی ملکوں میں نکاح کی شرح گھٹتی جارہی ہے، خاندانی نظام بکھرتا جارہا ہے اور اپنی پہچان سے محروم بچوں کی تعداد میں خطرناک حد تک اضافہ ہوتا جارہا ہے؛ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ خواتین کے حقوق کی حفاظت کے نام پر بننے والا یہ قانون اپنے اثرات ونتائج کے اعتبار سے خود خواتین کے لئے نقصان دہ ہے۔

البتہ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے اور اس کے چند اہم نکات یہ ہوسکتے ہیں:

(۱) صرف ایک ساتھ تین طلاق دینے پر ایک مناسب اور متوازن سزا تجویز کی جائے، اور وہ سزا ایسی ہو جس سے مطلقہ عورت کو فائدہ ہو۔

(۲) بچوں کا نفقہ تو شرعاً اس کے باپ پر واجب ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ جب تک عورت بچوں کی پرورش کرے، اس کو سابق شوہر کی طرف سے مناسب اُجرت پرورش بھی دلائی جائے، جو فقہاء کی تصریحات کے مطابق اتنی ہونی چاہئے کہ اس کے خورد ونوش اور رہائش کا انتظام ہوجائے۔

(۳) مہر اور نفقۂ عدت جلد سے جلد ادا کرایا جائے۔

(۴) اس نوعیت کے مقدمات کے لئے فاسٹ ٹریک عدالتیں قائم کی جائیں، جو ایک مقررہ مدت مثلاً تین ماہ کے اندر فیصلہ سنادے۔

(۵) حکومت ایسی مظلوم عورتوں کی طرف سے وکیل کی ذمہ داری قبول کرے اور متاثرہ عورت پر اخراجات مقدمہ کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔

یہ تو اس مجوزہ قانون کے اثرات ونتائج اور ان کے حل کے بارے میں گفتگو تھی؛ لیکن یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ ہندوستان کے دستور کی بنیاد کثرت میں وحدت اور اقلیتوں کی مذہبی وتہذیبی آزادی پر ہے؛ اسی لئے دستور کے بنیادی حقوق کی دفعات میں اس کی ضمانت دی گئی ہے، حکومت کو ہرگز کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھانا چاہئے، جو دستور سے انحراف پر مبنی ہو، اس کی روح کو متاثر کرتا ہو، اور اس سے اقلیتوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو۔

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

☆ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

(دشمنِ رسول) عقبہ بن معیط کی بیٹی اور مہاجرات میں سے ہے، مکہ میں مسلمان ہوکر شرفِ بیعت سے مشرف ہوئیں، سن سات ہجری تک یہ ہجرت کے لئے تیار نہ ہوسکیں، صلح حدیبیہ کے زمانے میں مدینہ تشریف لائیں، ان کے ساتھ ان کے بھائی ولید اور عمارہ بھی ان کے پیچھے آئے، کہنے لگے، محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری شرط پوری کیجئے، تو ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ مجھے کفار کے حوالے کردیں گے؟ جو مجھے بد دین کہتے ہیں، مجھ سے صبر وتحمل نہیں ہوتا، اور عورتوں کی ضعف اور کمزوری کی حالت سے بھی آپ واقف ہیں تو اس موقع پر اللہ عزوجل کا یہ ارشاد مبارک نازل ہوا "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ" (الممتحنة: ۱۰) اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھ لیا: کیا تم کو تمہارے گھروں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور محبتِ اسلام ہی نے نکالا ہے؟ تم شوہر یا مال کے حصول کے لئے نہیں نکلی ہو؟ جب عورتیں اس کا صحیح جواب دے لیتیں تو انہیں کفار کے یہاں نہیں لوٹایا جاتا۔

حضرت ام کلثومؓ کا مکہ میں کوئی شوہر نہیں تھا (یہ غیر شادی شدہ تھیں) ان سے زید بن حارثہؓ نے نکاح کیا، پھر ان کو طلاق دیا، تو ان سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نکاح کیا، تو ان سے دولڑکے ابراہیم اور حُمید تولد ہوئے، جب حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا انتقال ہوا تو ان سے عمرو بن العاصؓ نے نکاح کیا، پھر انہی کی زوجیت میں رہتے ہوئے ان کی وفات ہوگئی، حضرت علیؓ کے دور خلافت میں حضرت ام کلثومؓ کی وفات ہوئی۔

☆ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہ

نسیبہ بنت کعب بن عمرہ، یہ نہایت عاقلہ، فاضلہ، مجاہدہ، انصاریہ، خزرجیہ مازنیہ، مدنیہ تھیں، ان کے بھائی عبداللہ بن کعب المازنی بدریین میں ہیں، ان کے بھائی اللہ کے ڈر سے بہت زیادہ رونے والے تھے۔

حضرت ام عمارہ ؓ نے لیلۃ العقبۃ میں شرکت کی، احد، حدیبیہ، حنین، یمامہ وغیرہ کی جنگوں میں حاضر ہوئیں، انہوں نے اللہ کے راہ میں جہاد کیا اور نہایت عجیب وغریب بہادری دکھائی، ان کا ایک ہاتھ جنگ میں کٹ چکا تھا۔ ضمرہ بن سعید المازنی اپنے دادی کے متعلق کہتے ہیں: انہوں نے جنگ احد میں شرکت کی، کہتیں ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''لمقام نسیبة بنت کعب خیر من مقام فلان و فلان'' کہ نسیبہ بن کعب کا رتبہ اور درجہ فلاں اور فلاں سے بڑھ کر ہے۔

آپ رضی اللہ عنہا نہایت شدت کے ساتھ قتال کرتیں، اپنے کپڑے کو اپنے کمر سے باندھ لیتیں، ان کو تیرہ زخم لگ چکے تھے، کہتیں ہیں کہ میں نے ابن قمئہ کو دیکھا، اس نے میرے کاندھے پر ضرب لگائی، یہ نہایت شدید ضرب اور زخم تھا، جس کا انہوں نے ایک سال علاج کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے حمراء الاسد کی جنگ میں شرکت کا اعلان کیا، تو اس کے لئے بھی کمر کس لی، لیکن خون بہنے کی وجہ سے شرکت نہ کر سکیں۔

عمارہ بن غزیۃ سے مروی ہے فرماتی ہیں: حضرت ام عمارہ ؓ نے فرمایا: ایک دفعہ تمام لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اطراف سے ہٹ گئے، صرف دس کی تعداد میں لوگ باقی رہ گئے، میں اور میرے دونوں بیٹے اور میرے شوہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرر ہے تھے، لوگ ہزیمت اور شکست سے دو چار ہو کر چلے جا رہے تھے، میرے ساتھ ڈھال نہیں تھی، میں نے ایک شخص کو واپس جاتے ہوئے دیکھا اس کے پاس کمان تھی، کہا: جنگ لڑنے والے کو اپنی ڈھال دے دو، اس نے دے دیا تو میں نے لے لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچاؤ میں ڈھال استعمال کرنے لگی، گھوڑ سواروں نے ہم پر حملے کئے اگر وہ ہماری طرح پیدل ہوتے تو انشاء اللہ ہم ان کا بدلہ چکاتے، ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر مجھے مارنے کے لئے آیا تو میں نے ڈھال سے اس کا بچاؤ کیا، وہ کچھ نہیں کر سکا، میں نے اس کے گھوڑے کے گھنٹے پر ضرب لگائی تو وہ اپنی پشت کے بل گر پڑا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا: ''ابن عمارہ! تمہاری ماں، تمہاری ماں'' وہ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں میری مدد کی، یہاں تک کہ میں نے اس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

محمد بن یحییٰ بن حبان سے مروی ہے: کہ حضرت ام عمارہ ؓ کو پہلے بارہ زخم لگے تھے، جنگِ یمامہ میں ان کا ہاتھ کٹ گیا، ہاتھ کٹنے کے علاوہ گیارہ زخم اَور لگے، اسی زخمی حالت میں مدینہ تشریف لائیں، خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر ؓ عیادت کے لئے تشریف لاتے اور ان سے احوال دریافت فرماتے تھے۔

ان کے لڑکے حبیب بن زید بن عاصم ؓ؛ مسیلمہ نے جنگ یمامہ کے موقع پر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے، اور ان کے دوسرے فرزند عبداللہ بن زید مازنی جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو منقول ہے، ان کا قتل ''حرۃ'' کے موقع پر ہوا، ان کو مسیلمہ بن کذاب نے اپنی تلوار سے قتل کیا اور وہ شہید ہو گئے۔

گوشۂ سیرت

نبوی اندازِ تربیت

مفتی محمد ابوبکر صدیق قاسمی *

نبئ رحمت، معلم انسانیت، خاتم الانبیاء محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابرکت زندگی رہتی دنیا تک ہر انسان کے لئے مشعلِ راہ اور مینارۂ نور رہے، چاہے تعلیم وتربیت کا مسئلہ ہو یا معاملات ومعاشرت کا، خوشی وغم کا موقع ہو، یا تندرستی اور بیماری کا، یا زندگی کے نشیب وفراز میں پیش آمدہ مسائل کا، ہر موقعہ پر معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانوں کی طبیعتوں کے اختلاف اُن کی نفسیات اور ذاتی احساسات کا بے حد لحاظ رکھا کرتے تھے، کسی کو نصیحت کرنا ہو یا کسی کو برائی سے روکنا ہو یا کسی کی اصلاح وتربیت کا موقع ہو، ہر موقع پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی خوبصورت حکمتِ عملی اور ایسا بے مثال انداز اختیار کرتے کہ مخاطب اُس کو اپنے دل کی آواز سمجھ کر قبول کر لیتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الفت ومحبت اور عقیدت کے جذبات کو لے کر رخصت ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ کی مبارک مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک شخص دیہات سے مسجد آئے مسلمان ہوئے مجلس میں کافی دیر بیٹھنے کے بعد جب مجلس برخواست ہوئی تو اُن کو پیشاب کرنے کی ضرورت تھی، وہ اُٹھے اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متصل خالی جگہ پر جو کہ مسجد ہی کا حصہ تھا، پیشاب کرنے بیٹھ گئے صحابہؓ نے دیکھا تو منع کرنے کی کوشش کی، مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو بُلایا اور محبت کے ساتھ پس بٹھا کر فرمایا: مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اللہ تعالیٰ عظیم ہیں، بڑے ہیں، اُن کے گھر کو پاک رکھنا چاہیئے اور گندگی سے بچانا چاہیئے، ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے پیارے انداز سے سمجھایا کہ اُن کے دل کے نہاں خانے میں بات اچھی طرح بیٹھ گئی، وہ صحابیؓ بڑے خوش ہوئے اور حیران بھی ہوئے کہ مجھ سے اتنی بڑی غلطی ہوئی لیکن انہوں نے نہ مجھے طعنہ دیا، نہ شرمندہ کیا، اور نہ اُنہوں نے مجھے ڈانٹا، بلکہ مجھے اچھے اخلاق سے بات سمجھائی، جب وہ جانے لگے تو نبی علیہ السلام نے کچھ کپڑے اُن کو ہدیہ اور تحفہ میں دے دیئے، پھر نبی علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ پیدل جارہے ہیں تو آپ کے پاس ایک سواری تھی وہ سواری بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں ہدیہ میں دے دی، جب اُنھیں کپڑے بھی مل گئے اور سواری بھی مل گئی تو وہ بڑے حیران ہوئے، پھر کپڑے پہن لئے اور سواری پر سوار ہو گئے اور اپنے گھر کی

* صدر مدرس دار العلوم محمدیہ شیخا پور، کاماریڈی

طرف چل پڑے، جب وہ اپنی بستی میں داخل ہونے لگے تو دور سے ہی اُونچی اونچی آواز سے پکارنے لگے، اے میرے چچا! اے میرے ماموں! اے فلاں؟ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے کہ اونچی اونچی چیخ لگا رہا ہے؟ کہنے لگے کہ میں ایسے معلم کے پاس سے آرہا ہوں کہ میں نے زندگی میں کبھی ایسی شخصیت نہیں دیکھی، میں نے اتنی بڑی غلطی کی لیکن اُنھوں نے میرے ساتھ اتنا پیارا سلوک کیا کہ مجھے معاف بھی کردیا، کپڑے بھی دیئے، اور سواری بھی دی، دیکھو کیسے اخلاق تھے اُن کے!!

جب بستی والوں نے یہ سنا تو کہنے لگے اچھا! اگر اتنے اچھے اخلاق والے ہیں تو ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے، چناں چہ اُس بستی سے تین سو آدمی اُن کے ساتھ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سب نے آکر کلمہ پڑھ لیا اور اسلام کی نعمت سے مشرف ہوگئے۔

یہ تھا معلم انسانیت کا اندازِ تربیت جس کی دل کشی اور اثر آفرینی کے سامنے سخت سے سخت دل انسان بھی موم کی طرح نرم ہوجاتا، اسی طرح ایک اور موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبارک مجلس میں تشریف فرما تھے ایک نوجوان مسجد میں داخل ہوا، اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا، گویا کسی کی تلاش میں ہے، اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دکھائی دیئے تو وہ آپ کی طرف آیا، توقع تھی کہ وہ مجلس میں بیٹھ کر آپ کی باتیں سنے گا، لیکن یہ کیا کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف دیکھا اور جرأت سے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! مجھے زنا کی اجازت دیجئے'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نوجوان کی طرف دیکھ کر اطمینان سے کہا: ''کیا تمہیں اپنی والدہ کے لئے زنا پسند ہے؟'' اُس نے کہا ''نہیں''، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اسے اپنی ماؤں کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر دریافت کیا: کیا تم اپنی بہن کے لئے زنا پسند کرتے ہو؟ نوجوان نے کہا ''نہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر پوچھا: ''کیا تم اپنی پھوپی یا خالہ کے لئے پسند کرتے ہو؟'' نوجوان نے اس بار بھی نفی میں جواب دیا، بالآخر نبی علیہ السلام نے فرمایا ''لوگوں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اور لوگوں کے لئے بھی وہی ناپسند سمجھو جو اپنے لئے ناپسند سمجھتے ہو'' اس طرح نوجوان کو احساس ہوگیا کہ وہ غلطی پر تھا، اُس نے نہایت تواضع سے کہا: اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ میرا دل پاک کردے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نوجوان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور دعا کی ''اللھم اھد قلبه واغفر ذنبه وحصن فرجه'' اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت دے، اس کا گناہ معاف کر، اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر، نوجوان یہ کہتا ہوا مسجد سے باہر آگیا، واللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس سے آیا اور اب مجھے دنیا کا کوئی کام زنا سے بڑھ کر ناپسند نہیں۔

ذرا ملاحظہ کیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نوجوان کی اصلاح کے لئے تمام اسالیب اختیار کئے، اُسے بُلایا،

بٹھایا، سینے پر ہاتھ رکھا، اور دعا دی۔

اسی پر بس نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوٹے بچوں کو بھی بڑے پیار سے سمجھاتے تھے، ایک لڑکپن کی عمر کے صحابی رضی اللہ عنہ تھے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے عادت تھی کہ لوگوں کے درختوں سے جو پھل مجھے پسند آتا میں توڑ کر کھالیا کرتا تھا، اس وقت کا پھل کھجور ہی تھا، ایک دفعہ کھجور کے مالک نے مجھے پکڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیا، نبی علیہ السلام نے پاس بُلایا، میرا گمان تھا کہ مجھے ڈانٹ پڑے گی، مجھے مار پڑے گی، لوگوں کے سامنے شرمندگی اُٹھانا پڑے گی، مگر نبی علیہ السلام نے مجھے کچھ کہنے کے بجائے مجھ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ تم بغیر اجازت لوگوں کے پھل کیوں کھاتے ہو؟ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اچھے لگتے ہیں تو جس درخت کے پھل اچھے لگتے ہیں، وہ میں کھاتا ہوں، نبی علیہ السلام نے پیار سے فرمایا: دیکھو جو پھل درخت پر ہوتے ہیں وہ ملکیت ہوتے ہیں، اور جو پھل نیچے گر جاتے ہیں، اگر تم چاہو تو اُن کو اُٹھا کر کھالیا کرو، اس کے بعد نبی علیہ السلام نے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کی بھوک دور فرما دے اور دعا دیتے ہوئے نبی علیہ السلام نے اُسے قریب کیا اور اُس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا، وہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی علیہ السلام کا محبت بھرا ہاتھ جب میرے سر پر آیا تو نبی علیہ السلام کی بات ایسے میرے دل میں بیٹھ گئی کہ میں نے اپنے دل میں یہ عہد کیا کہ آج کے بعد بغیر اجازت کسی کے پھل نہیں کھایا کروں گا۔

اب ذرا آنکھ بند کر کے اپنے بارے میں سوچیں کہ اگر ہمارے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا تو ہم کیا کرتے؟ یا تو زبان سے کچھ بول دیتے، یا ہاتھ سے کچھ کر دیتے، اور معاملے کو بگاڑ بیٹھتے، وہ بچہ سدھرنے کے بجائے الٹا دشمن بنتا، اور پہلے سے زیادہ اُسی کام کو کرنے پر آمادہ ہوتا۔

یہی بنیادی فرق ہے اگر اچھے اخلاق سے انسان بات کرے تو وہ دوسرے کے دل میں اُتر جاتی ہے، چناں چہ نبی علیہ السلام نے اچھے اخلاق کی تعلیم دی، لہذا ہر انسان اسی بات کا پابند ہے کہ وہ اچھے اخلاق اور اچھی عادات کو اپنائے۔

فکر ونظر

دستور ہند اور ہندوستانی مسلمان

مفتی محمد نوید سیف حسامی

کہا جاتا ہے جس نعمت کی قدر نہیں کی جاتی یا تو وہ نعمت چھین لی جاتی ہے یا پھر اپنا فائدہ کھو دیتی ہے یعنی وہ نعمت تو اپنی جگہ باقی رہتی ہے لیکن جتنا اور جیسا فائدہ اس سے ہونا چاہئے اتنا فائدہ ہوتا نہیں، جیسے مال اور صحت دو ایسی نعمتیں ہیں جو ہر انسان کو کسی نہ کسی درجہ میں ضرور عطا ہوتی ہیں اب اگر مال اور صحت کا غلط استعمال کیا جائے ناقدری کی جائے تو مالداروں کو غریب بنتے ہوئے اور صحتمندوں کو دواخانوں کے چکر لگاتے ہوئے سبھی نے دیکھا ہے، یہی کچھ حال ''دستور ہند'' کا بھی ہے، دستور ہند کو اگر اپنی جگہ پر ایک نعمت کہا جائے تو غلط نہ ہوگا خاص طور پر اس تناظر میں کہ ہم اپنی ایمانی و عملی حالت کی مناسبت سے اسی قانون کے مستحق تھے، واضح رہے کہ دستور ہند کو نعمت کہنے کا مطلب ہرگز بھی یہ نہیں ہے کہ اس کو قرآن سے بلند تر مان لیا گیا ہے، یہ عقیدہ وخیال تو آدمی کو کافر بنا دیتا ہے، ایک مسلمان کے لئے بحیثیت مسلمان شریعت کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے قانون و دستور کو دل سے تسلیم کر لینا ہرگز بھی جائز نہیں۔

دستور ہند کے تعلق سے ایک بات یہ ذہن میں رہنی چاہئے کہ ''دستور ہند'' نے آزادی کے بعد مسلمانوں کو اگرچہ سو فیصد اور کامل ومکمل شریعت پر عمل کرنے سے روکا ہو لیکن اسی دستور نے ستر سال سے فرقہ پرستوں اور کٹر اسلام دشمن طاقتوں کو مساجد کو منادر میں تبدیل کرنے اور مدارس ومکاتب پر بالراست ہاتھ ڈالنے سے روکا ہوا ہے، اسی دستور کی روشنی میں ہمیں ''فریڈم آف اسپیچ''، یعنی بولنے کی آزادی کا حق بھی حاصل ہے جس کے نتیجہ میں ملک بھر کے طول وعرض میں اندرون و بیرون مساجد تقاریر وخطبات کا ایک طویل سلسلہ جاری ہے، اسی دستور میں ''فریڈم آف ریلیجین''، یعنی مذہبی آزادی کی شقیں بھی ہیں جس کی رو سے ملک کا ہر شہری انفرادی واجتماعی طریقہ پر اپنے مذہب پر عمل کرنے اس کی ترویج کرنے اور اس کو سکھانے کا پورا پورا حق رکھتا ہے اسی کا اثر ہے کہ مدارس ومکاتب کا جال اپنی مکمل قوت وطاقت کے ساتھ موجود ہے، مشہور زمانہ بابری مسجد کیس جس کی شنوائی عدالت عظمی میں چل رہی ہے، فرقہ پرست جماعت اپنے اقتدار میں آنے اور ظاہری اعتبار سے ہر سیاہ و

سفید کے مالک بن جانے کے ساڑھے تین برس بعد بھی متنازعہ مندر کی تعمیر سے جن وجوہات کی بنا پر رکی ہوئی ہے ان میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دستور کے مطابق جو کیس عدالت میں چل رہا ہو اس جانب پیش قدمی دستور شکنی بھی ہے اور قانون شکنی بھی، غرض یہ کہ دستور کو (آزادی کے بعد والے حالات کو سامنے رکھ کر) اگر نعمت نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟

ہمارے ملک عزیز ہندوستان میں بیشتر دوسرے ممالک کی طرح پارلیمنٹ اور عدلیہ دو ایسے ادارے ہیں جو قانون سازی کرتے ہیں، ایک سوال بعض حضرات کے ذہنوں میں یہ آتا ہے کہ عدلیہ و پارلیمنٹ میں کس کا عہدہ اور پاور بڑھا ہوا ہے؟ اگر پارلیمنٹ کسی قانون کی منظوری دے دے تو کیا عدلیہ اس پر خاموش رہے گی یا نہیں، اس سلسلہ میں یہ جاننا لازم وضروری ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں دستور کو وہ مرتبہ حاصل ہے جو عدلیہ اور پارلیمنٹ کو بھی نہیں ہے، یعنی عدالتوں یا پارلیمنٹ سے دستور کے خلاف کوئی فیصلہ صادر ہو یا کوئی ''بل'' بنایا جائے تو اس فیصلے یا ''بل'' کو چیلنج کیا جا سکتا ہے اور نہ صرف چیلنج بلکہ اسے تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے، اس کی کئی نظیریں موجود ہیں مثلاً؛ ۲۰۱۴ میں مرکزی حکومت نے دستور میں ۹۹ ویں ترمیم کرتے ہوئے ''این، جی، اے، سی ایکٹ'' کے نام سے ایک بل تیار کیا جسے دستوری طریقہ کار کے مطابق لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں دو تہائی اکثریت کے حصول کے بعد صدر جمہوریہ کی دستخط کے ساتھ نافذ کر دیا گیا، اس بل کی رو سے ملک بھر کی عدالتوں میں ججوں کا تقرر ایک چھ رکنی بنچ کو سونپا گیا لیکن سپریم کورٹ کے چند سینئر وکلاء نے اس کے خلاف اپیل دائر کی جس کے نتیجہ میں ۱۶/ اکتوبر ۲۰۱۵ کو عدالت عالیہ نے اس بل کو غیر دستوری ہونے کی بنیاد پر کالعدم قرار دے دیا۔

اسی طرح دستور کے آرٹیکل ۱۳ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ ''ریاست ایسا کوئی قانون ہرگز نہیں بنائے گی جو ہندوستان کے شہریوں سے ان کے دستوری حقوق کو ختم یا کم کر دے اور اگر ایسا کوئی قانون بنایا بھی جائے تو وہ قانون کالعدم شمار ہوگا'' عدالت عالیہ نے ایسے کئی مواقع پر جہاں قانون حقوق سے ٹکراتا ہو وہاں شہری حقوق کی رعایت کی ہے اور فرقہ پرستوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا ہے جیسے؛ ۱۹۸۵ میں کیرالا کی ۳ عیسائی لڑکیوں نے ''جن گن من'' پڑھے جانے کے موقع پر سب کے ساتھ کھڑے ہونے میں ساتھ تو دیا لیکن قومی ترانہ نہیں پڑھا، ایک ٹیچر کی ان پر نظر پڑی پھر بات بڑھتے بڑھتے ایک رکن اسمبلی تک جا پہونچی، اس نے اسکول انتظامیہ کو حکم دیا کہ جب تک وہ قومی ترانہ گنگنانے پر راضی نہیں ہوں گی ان کا داخلہ موقوف کر دیا جائے، ان لڑکیوں کے والد نے کیرالا ہائی کورٹ میں درخواست دائر کی جس کا فیصلہ اس کے خلاف یعنی اسکول کے حق

میں آیا پھر انھوں نے سپریم کورٹ میں اپیل کی اور سپریم کورٹ نے تاریخ ساز فیصلہ سنایا کہ ''کسی بھی شہری پر قانوناً یہ لازم نہیں کہ وہ قومی ترانہ گنگنائے'' جج صاحبان نے یہ الفاظ بھی اپنے فیصلے میں شامل کئے کہ ''جمہوریت کا اصل امتحان تو انہی موقعوں پر ہوتا ہے'' (آل انڈیا رپورٹر، کیس نمبر ''ایس سی ۸ ۴ ۷)

فرقہ پرست طاقتوں نے آزادی کے بعد سے اب تک مختلف قسم کی سازشوں و مکاریوں سے ہندوستانی مسلمانوں کا تشخص ختم کرنے کی کوششیں کی ہیں لیکن ہر کوشش میں ان کو ناکام ہونا پڑا اب انہوں نے یہ جان لیا ہے کہ ان کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ایہی دستور ہے جس کی بنیاد پر نہ کسی کا منھ بند کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کے مذہب میں دخل اندازی کی جا سکتی ہے چنانچہ برسہا برس کی محنتوں اور طویل مدتی فارمولوں پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے دستور پر اپنے دانت تیز کرنے شروع کر دیئے ہیں اور جیسا کہ دوررس نگاہ رکھنے والے اور قوم وملت کے غم میں گھلنے والے اکابر نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ اگلا حملہ بالراست دستور پر ہوگا اور وہ شقیں ہی نکال دی جائیں گی جو ایک مسلمان کو مسلمان باقی رکھتی ہیں، لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے اور ساتھ ہی ساتھ ناممکن بھی نہیں، ہماری اپنی بے حسی وغفلت کی وہی حالت رہی جس کا نظارہ آئے دن ہوتا رہتا ہے تو بعید نہیں کہ ہم سے یہ نعمت چھین لی جائے اور ہماری آئندہ نسلیں اسلام وایمان کے تشخص کے بغیر زندگی گذارنے پر مجبور ہو جائیں، اس سلسلہ میں چند مشورے وگذارشات ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں جو ایک بہتر مدافعتی نظام کو تشکیل دینے اور مستقبل کی تاریکی کو دور کرنے میں معاون ہونگے۔

۱) دستور کا مطالعہ کیا جائے، بالخصوص وہ آرٹیکلس جو ''شہری حقوق'' اور ''شہری فرائض'' کہلائے جاتے ہیں، جنہیں انگریزی میں ''فنڈامینٹل رائٹس'' اور ''فنڈامینٹل ڈیوٹیس'' کہا جاتا ہے، ان شقوں سے ہمیں اپنے حقوق کا علم ہوگا اور وہ علم ہمارے اندر جہاں خود اعتمادی پیدا کرے گا وہیں اپنے حق کے لئے لڑنے کی قوت طاقت اور فکر بھی پیدا ہوگی۔

۲) ڈاکٹروں اور انجینئرس کی طرح ہمارے معاشرے میں قابل وکلاء بھی پیدا کئے جائیں، یہ وکلاء قانون پر عبور حاصل کر کے عدالتوں میں اسلامی تشخص کی جنگ لڑیں گے، کتنے افسوس کی بات ہے کہ بیس پچیس کروڑ کی آبادی اور قابل و ماہر ڈاکٹر وانجینئرس کی ایک بڑی جماعت اور مالداروں و دولت مندوں کی ایک بڑی تعداد کے باوجود ہمارے قومی معاملات کی قانونی جنگ کے لئے ہمیں اسی قوم کے وکلاء کی خدمات لینی پڑتی ہیں جس قوم سے ہمیں شکایتیں ہیں اور جو مسلم وکلاء آج میدان میں موجود ہیں ان کی اکثریت اپنے فن میں ماہر نہیں ہے، حالانکہ قرآن وحدیث میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ دشمن جس قسم کے ہتھیار سے لیس ہے اس ہتھیار سے ہمیں

بھی لیس ہونا ضروری ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عبرانی یا سریانی زبان سیکھیں کیونکہ یہودی انہی زبانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند نہ تھی کہ ہر ایک کو وہ خطوط دکھلائیں اور ہر کسی سے پڑھوائیں چنانچہ حضرت زیدؓ نے سترہ دنوں میں وہ زبان سیکھ لی (کنز العمال ۳۷۰۵۹) جس ملک میں ہم رہتے ہیں اس ملک کے دستور کا مطالعہ اور ایک جماعت کا اس پر عبور وقت کی ضرورت ہے اور سنگین حالات میں اسے فرض کفایہ کہا جائے تو غلط بھی نہ ہوگا، یاد رکھئے دستور ایک دو دھاری تلوار کی طرح ہے، اگر ہم اس کو اپنے مخالفین پر استعمال نہیں کریں گے تو ہمارا مخالف اسے ہم پر استعمال کرے گا۔

۳) مالداروں اور اہل ثروت کی ذمہ داری ہے اور ان سے گذارش بھی کہ اپنے مال کو ان قابل اور ملت کا درد رکھنے والے نوجوانوں پر بھی خرچ کریں جو اس قسم کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن مالی مجبوریوں کی وجہ سے نہیں کر پا رہے ہیں، یہ بھی اسلام کی خدمت ہی کہلائے گی۔

۴) قانون سے باخبری کے لئے رفاہی و سماجی تنظیمیں ''لاء اویرنیس کیمپ'' یا ''قانونی تربیتی کیمپ'' رکھ کر عوام تک دستور و قانون کی اہمیت افادیت اور اس تعلق سے بے خبری کے نقصانات کا تذکرہ کر سکتی ہیں۔

۵) عوام الناس بالخصوص سرکاری ملازمین اپنا فریضہ سمجھیں کہ وہ اپنے دفاتر میں اسلامی تشخص پر عمل کریں، مثلا؛ داڑھی ٹوپی وغیرہ کہ ان کے استعمال سے جہاں سنت و شریعت پر عمل کا فائدہ ہوگا وہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی حاصل ہوگی، کوئی محکمہ اپنے کسی ملازم کو اسلام پر عمل کرنے سے نہیں روک سکتا یہاں تک کہ محکمہ پولیس بھی، افسوس کہ ہم نے اس معاملہ میں غیروں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے، ہم نے مصلحت اور ڈر کے نام پر چھوٹی چھوٹی نوکریوں کیلئے سنت کو برابر شہید کیا اور اپنے مذہب پر عمل کرنے والے داڑھی اور پگڑی رکھ کر دس سال تک وزیر اعظم بھی بنے رہے، دستور کی اس نعمت سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم شریعت پر عمل کریں ورنہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی بھی ہوگی اور نعمت کی ناشکری بھی۔

۶) اپنی اولاد اور آئندہ نسل کو دستوری حقوق اور آزادیوں سے واقف کروائیں، ان کا اسکول یا کالج اگر خلاف دستور کام پر مجبور کرتا ہے تو قانون کی مدد لیں، دنیوی نقصان کو نہ دیکھیں، آپ کا یہ عمل آئندہ نسلوں پر احسان ہوگا، ان کے ذہن میں یہ بات بٹھائیں کہ ''جن گن من'' شرکیہ کلام ہے جس کا بولنا انسان کو اسلام سے خارج کرتا ہے، لڑکیوں کو نقاب و پردہ کا پابند بنائیں، کم از کم ان ۳ کم سن عیسائی لڑکیوں اور ان کے والد سے سبق لیں جو ایک باطل مذہب پر رہتے ہوئے بھی سپریم کورٹ سے اپنا حق منوانے میں کامیاب رہے۔

فکر ونظر

26/ جنوری: جمہوری اقدار کے احتساب کا دن

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی*

26/ جنوری، درحقیقت خوابوں کی تعبیر کا دن ہے اور خوابوں کی تعبیر کے حوالے سے یہ یوم احتساب بھی ہے یعنی ہم غور کریں اور سوچیں کہ ہندوستان کن خوابوں کی تعبیر تھا اور وہ خواب کس حد تک پورے ہوئے؟ تا کہ وہ مقاصد اور اہداف ہماری نگاہوں اور ذہنوں کے قریب رہیں، کبھی اوجھل نہ ہونے پائیں؛ جن کے پیش نظر ہمارے اکابر نے بے شمار قربانیاں دیں، جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور خون جگر کے ذریعہ چمنستانِ ہند کی آبیاری کی؛ کیوں کہ احساس منزل جہاں بے حسی کا جمود توڑتا ہے وہیں جدوجہد اور حرکت کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔

یوم جمہوریہ، ایک قومی دن ہے جسے ملک بھر میں بڑے پیمانے پر منایا جاتا ہے، اس دن کی اہمیت یہ ہے کہ حکومت ہند ایکٹ جو 1935ء سے نافذ تھا، منسوخ ہو کر باضابطہ دستور ہند کا نفاذ عمل میں آیا اور دستور ہند پر عمل آوری شروع ہوئی، دستور ساز اسمبلی میں دستور ہند 26 نومبر 1949ء کو پیش ہوا، اور 26 جنوری 1950ء کو اسکے نفاذ کی اجازت دے دی، اس طرح دستورِ ہند کے نفاذ سے ہندوستان میں جمہوری طرز حکومت کا آغاز ہوا۔

آبادی کے لحاظ سے ہندوستان، دنیا کی سب سے بڑی پارلیمانی، غیر مذہبی جمہوریت ہے، اس کے دستور وآئین کے کچھ اہم امتیازات ہیں، یہاں کے شہریوں کو خود اپنی حکومت منتخب کرنے کا بھرپور حق حاصل ہے اور یہاں عوام ہی کو سرچشمۂ اقتدار واختیار مانا جاتا ہے، اس طرح تمام باشندے بلاتفریق مذہب وملت ''ایک مشترکہ جمہوریت'' کی لڑی میں پرو دیے گئے ہیں۔ اس میں مذہب کی اہمیت کا بھی اعتراف کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ ملک مذہب کی بنیاد پر حکومت نہیں کرے گا، اس لیے دستور کی 42ویں ترمیم کی رو سے اسے سیکولر اسٹیٹ کہا گیا، جہاں ہر مذہب کا احترام ضروری ہوگا اور مذہب کی بنیاد پر کسی قسم کا کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا، مذہب یا ذات پات کی بنیاد پر کسی شہری کو شہریت کے حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا اور ہر شہری کو ملکی خدمات سے فائدہ اٹھانے کا بھرپور موقع ملے گا۔ آئین کی رو سے ہر ہندوستانی شہری قانون کی نگاہ میں برابر ہے، ہر شہری کو آزادیٔ رائے، آزادیٔ خیال اور آزادیٔ مذہب کا اختیار حاصل ہے۔ اقلیتوں کو بھی دستور

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

میں ان کا حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے علیحدہ تعلیمی ادارے قائم کریں، اپنی تہذیب، تمدن، زبان کو قائم رکھیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کریں نیز اس غرض کے لئے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کا انتظام کریں، ساتھ ہی یہ صراحت بھی کی گئی کہ کسی ایسی آمدنی پر ٹیکس دینے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا، جو کسی مذہب کی تبلیغ واشاعت پر خرچ کی جائے۔

جمہوری اقدار کے عناصر اربعہ:

کسی بھی ملک میں سیکولرزم کی بقاء کے لیے سیکولر اقدار کا باقی رہنا بھی ضروری ہے؛ جس کے بنیادی طور پر چار عناصر ہیں: (۱) انتخابات (۲) طرزِ حکمرانی (۳) عدلیہ (۴) میڈیا۔

(۱) انتخابات: جمہوری اقدار کی بقاء میں انتخابات ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، انتخابات ہی ایک ایسا ذریعہ ہیں، جس سے عوام اپنے نمائندے منتخب کر کے ایوان میں بھیجتے ہیں؛ تاکہ منتخب نمائندے عوام کی صحیح نمائندگی کرسکیں، ان کے ضروری مسائل کو حل کرسکیں، ان کی ضروریات کی تکمیل کرسکیں، اور ملک میں رہنے کے لیے پُرامن اور خوشحال معاشرے کی تشکیل کرسکیں، وغیرہ۔ لیکن چند سالوں سے ملک میں رائج انتخابات کی مثبت روایت رفتہ رفتہ بدل رہی ہے، دستور ہند کی رو سے جو شخص یا پارٹی عوام کی خدمت کا حقیقی جذبہ رکھتی ہو، وہ عوام کے موجودہ مسائل کو حل کرنے کا وعدہ کر کے واضح منصوبہ بنا کر عوام کے سامنے پیش کرے تب کہیں جا کر اسے عوام سے ووٹ مانگنے کا حق حاصل ہوگا؛ چناں چہ آزادی کے بعد ایسے ہی لوگ انتخابات میں حصہ لیتے تھے اور وہ کسی حد تک بااخلاق وباکردار ہوتے تھے، جو عوام سے جھوٹے وعدوں پر نہیں بلکہ اپنی اہلیت وقابلیت کی بنیاد پر ووٹ مانگتے تھے؛ لیکن آج جرائم میں ملوث افراد انتخابات لڑتے ہیں، اور سیاسی پارٹیاں بھی انہیں ہی ٹکٹ دیتی ہیں، اس طرح عوام کو سبز باغ دکھا کر ووٹ بنک مضبوط کرتے ہیں، جبکہ کچھ تو ایسے بھی ہیں، جو نوٹ سے ووٹ خریدنے کا کام لیتے ہیں، ذات پات کی بنیاد پر ایک دوسرے کو لڑا کر اور جذباتی بیان بازی کے ذریعہ ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالیہ ای وی ایم گھوٹالوں سے تو ہر انصاف پسند شہری پر آشکارا ہوگیا کہ ہندوستانی انتخابات کا صاف وشفاف نظام عنقاء ہوتا جارہا ہے اور برسر اقتدار پارٹی اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے یکے بعد دیگرے ہر انتخاب میں یہی چال چل رہی ہے۔

(۲) طرزِ حکمرانی: جمہوری نظام کی کامیابی کا انحصار بہتر طرز حکمرانی پر ہے اور ملک کی ترقی اور خوشحالی کا قطب الرحی بھی یہی ہے؛ مگر آج ہندوستان کی سیاست میں نفرت کا بول بالا ہے، ہر گلی، ہر گاؤں، ہر موڑ پر نفرت کا عفریت کھڑا قہقہے لگا رہا ہے اور اس کے سامنے محبت اور بھائی چارہ کی تہذیب بے بس ولاچار نظر آرہی ہے، گنگا جمنی ثقافت کی کوکھ سے جنم لینے والے ہندوستانی، نفرت کی آگ میں جھلس رہے ہیں، کہیں پہلو خان اس

نفرت کا شکار ہے، تو کہیں جنید اس تشدد کے خنجر سے لہولہان ہے، کہیں ایوب بھیڑ کی درندگی سے بے کل ہے، تو کہیں افراز الاسلام اس ظلم کا نشانہ ہے۔

ہمارے ملک میں کانگریس اور بی جے پی دو بڑی پارٹیاں ہیں؛ لیکن ان دنوں کانگریس نظریاتی بحران کا شکار ہے، جس کے سبب حالیہ پارلیمانی انتخابات میں اسے بہت بری طرح شکست اٹھانی پڑی۔ دوسری طرف بی جے پی کٹر ہندوتوا نظریہ کی حامل پارٹی ہے، جس نے اپنی کارکردگی اور سرگرمی سے کھلے عام یہ ثابت کر دیا ہے۔

(۳) عدلیہ: کسی بھی ملک میں عدلیہ ایک امید اور بھروسے کا نشان ہوتی ہے؛ جسے انصاف کا مندر بھی کہا جاتا ہے، عدل وانصاف کسی بھی مہذب معاشرے کا حسن اور امن پسند جمہوریت کی اساس ہے۔ کیا آج عدلیہ عدل وانصاف کے معاملے میں اپنی ذمے داری ادا کر رہی ہے؟

غور کیا جائے تو انصاف میں سب سے بڑی رکاوٹ عدالت کا سست ونا کارہ نظام ہے؛ جس میں اصلاحات کی سخت ضرورت ہے، تاکہ مظلوم کو بروقت انصاف مل سکے۔ مگر افسوس صد افسوس موجودہ عدالتی نظام میں انصاف ملنے تک سالوں لگ جاتے ہیں، گواہوں کی ہیئت اور حالت بدل جاتی ہے، خود مظلوم جواں سالی سے پیرانہ سالی بل کہ موت کے گھاٹ بھی اتر جاتا ہے، حالاں کہ بلا وجہ انصاف میں تاخیر انصاف کا قتل ہے۔ علاوہ ازیں ایک تشویشناک پہلو عدلیہ میں کرپشن کا ہے، کئی ایک اہم معاملوں میں عدلیہ میں کرپشن کے اسکینڈلس سامنے آچکے ہیں، گواہوں کو بیچا اور خریدا جاتا ہے، فیصلوں میں الٹ پھیر ہوتی ہے۔ عدلیہ میں فیصلے گواہیوں اور ثبوتوں کی بنیاد پر ہونے چاہئیں؛ لیکن کچھ فیصلے جذبات میں بہہ کر بھی دیے جارہے ہیں، جو کہ بالکل غلط ہے۔ عدلیہ کو چاہیے کہ جذبات سے اوپر اٹھ کر حق وصداقت اور گواہیوں اور ثبوت کی بنیاد پر فیصلہ سنائے۔ عدلیہ کی سیاسی معاملات میں دخل اندازی اور اصحابِ اقتدار کا عدلیہ پر اثر انداز ہونا بھی جمہوریت کے لیے نقصان دہ ہے۔

(۴) میڈیا: میڈیا جمہوریت کا چوتھا ستون مانا جاتا ہے۔ کسی بھی جمہوری ملک میں میڈیا کے رول کا انکار ممکن نہیں، میڈیا حق وصداقت، اطلاع ومعلومات، بے لاگ تجزیے اور مختلف نقاط نظر کو عوام تک پہنچانے اور رائے عامہ بنانے کا اہم ذریعہ ہے، بدلتے حالات کے تناظر میں اگر میڈیا کا بے لاگ جائزہ لیا جائے تو آج میڈیا جانب دار ہو چکا ہے، کسی خاص نظریہ کے فروغ یا کسی خاص فرد کی تعریف وتوصیف یا کسی خاص چیز یا کمپنی کی تشہیر تک محدود ہو گیا ہے، غیر ضروری چیزوں کو ضروری بنا کر پیش کرنا میڈیا کی عادت بن چکی ہے، کسی کے خلاف مہم چلانا اور اس کی کردار کشی کرنا میڈیا کا پیشہ بن گیا ہے، کسی غیر اہم مسئلہ کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کر دیا جاتا ہے کہ اس کو سچ مان لیا جاتا ہے۔ میڈیا میں کچھ عناصر فرقہ وارانہ ذہنیت کے حامل بھی ہیں اور وہ وقتاً فوقتاً اپنی گندی ذہنیت کی عکاسی کرتے رہتے ہیں۔ کسی خاص گروہ بالخصوص مسلمانوں کی غلط صورت گری میڈیا کا شیوہ

بنا ہوا ہے، کسی فرد کو محض شک کے دائرے میں پولیس گرفتار کرتی ہے تو میڈیا اسے مجرم بنا کر پیش کر دیتا ہے، کسی کو بے قصور اور کسی کو مجرم قرار دینا تو میڈیا کا معمول ہو چکا ہے، خبریں بنتی نہیں بنائی جاتی ہیں، میڈیا آج پوری طرح سے سرمایہ دار لوگوں کے ہاتھوں میں پھنسا ہوا ہے، وہ لوگ جو چاہتے ہیں وہی چھپتا ہے اور وہ کیا دیکھنا چاہتے ہیں، وہی دکھایا جاتا ہے۔

ملک کے موجودہ حالات:

سابقہ تفصیلات سے معلوم ہو گیا کہ جمہوریت تو درحقیقت کاروبارِ حکومت میں عوام کی شرکت کا نام ہے؛ لیکن یہاں جمہوریت عوام کو کاروبار حکومت میں شرکت سے محروم اور دور رکھنے سے عبارت ہے۔ یہ جمہوریت ایک فیصد لوگوں کے لیے ان کی عیاشی اور کاروبار کا ذریعہ ہے، ملک کے تمام وسائل و ذرائع اور مال و دولت پر گنے چنے مخصوص لوگ قابض ہیں۔ یہاں ملک کی غریب عوام کے لیے نہ روزگار کے مواقع ہیں نہ کوئی ذریعہ معاش، نہ عدل وانصاف پر مبنی حکمرانی ہے، نہ جان و مال کا تحفظ۔ اس آزادی کا کچھ بدنیت لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا اور اقلیتوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا؛ اس طرح ہندوستان کی 66 سالہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ آزادی کے بعد سے اس ملک کے مسلمانوں کے جان و مال کی کما حقہ نہ حفاظت کی گئی اور نہ ہی ان کو دوسرے شہریوں کی طرح حقوق حاصل رہے۔ خواہ دستور ہند میں کتنی ہی آزادی ہو لیکن سچ یہ ہے کہ مسلمان آج یہاں دوسرے درجے کے شہری کی زندگی گزار رہا ہے۔ آزادی سے لیکر آج تک کانگریس کا دور حکومت پھر بھاجپا کا عہد اقتدار ہزاروں مسلم کش فسادات سے بھرا پڑا ہے۔ ان میں مرنے والوں کی تعداد دوسری جنگ عظیم میں مرنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے، زخمی ہونیوالوں اور بے گناہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے سڑنے والوں کی تعداد بھی کم و بیش اتنی ہی ہے۔ فسادات میں مسلمانوں کی اربوں کھربوں کی جائیدادوں کو لوٹا اور جلایا گیا۔ شاید ہی ملک کا کوئی شہر ایسا ہو جو فسادات سے بچا ہو۔ ملک میں آزادی سے قبل مسلمانوں کی کتنی گھریلو صنعتیں تھیں جنہیں چن چن کر ختم کیا گیا۔ جان و مال کی تباہی کے بعد اب روٹی روزی سے بھی محروم کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ پورے ملک سے اردو زبان کو ختم کرنے کی منظم سازش کی گئی، ملک کے پچھڑے طبقوں کو ریزرویشن دیا گیا لیکن اسی آئین کے تحت مسلمانوں اور عیسائیوں کو محروم رکھا گیا؟ آج مسلمانوں کے لئے پندرہ نکاتی پروگرام، رنگاناتھ مشرا کمیشن اور سچر کمیٹی کے حوالے دئے جاتے ہیں لیکن نہ تو مسلمانوں کو حقوق ملے اور نہ اس پر ایماندارانہ عمل درآمد کیا گیا۔

اسی طرح خواتین ریزرویشن بل، مجوزہ مرکزی مدرسہ بورڈ، پروموشن میں ریزرویشن بل اور حالیہ طلاق بل کے پس پردہ جس طرح مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، وہ کہیں نہ کہیں

جمہوریت کو داغدار کرتی ہے۔

ان سب کے علاوہ خود دستور سازوں کے ہاتھوں جمہوری قدروں کی پامالی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پورا کا پورا سیشن ہنگامہ آرائی کی نذر ہوجاتا ہے، مخالفت برائے مخالفت روز کی بات ہے، پالیسیاں بنانے کی جگہ ''پارلیمنٹ'' میں میدان جنگ کا نظارہ ہوتا ہے۔

سرسری طور پر صرف دو سالوں کے ان اہم واقعات کا ذکر کیا جائے جو جمہوری اقدار کے سراسر خلاف تھے تو ایک مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ فرضی سرجیکل اسٹرائک، کشمیر کا سب سے طویل ترین کرفیو، بے گناہ مسلمانوں کی گرفتاری، یکساں سول کوڈ کا واویلا، مسلم پرسنلاء میں مداخلت، مختلف ٹرین حادثات، کئی لاکھ کروڑ کے گھوٹالے، بھیڑ کے ذریعہ قتل اور نوٹ بندی کے فیصلے پر مشتمل ایک طویل فہرست ہے؛ جو ملک کی جمہوریت پر بدنما داغ اور سیکولزم کے نام پر کالا کلنک ہے۔

آؤ کہ آج غور کریں اس سوال پر
دیکھے تھے ہم نے جو، وہ حسیں خواب کیا ہوئے؟
دولت بڑھی تو ملک میں افلاس کیوں بڑھا
خوشحالیِ عوام کے اسباب کیا ہوئے؟
مذہب کا روگ آج بھی کیوں لا علاج ہے
وہ نسخہ ہائے نادر و نایاب کیا ہوئے؟
ہر کوچہ شعلہ زار ہے، ہر شہر قتل گاہ
یکجہتیِ حیات کے آداب کیا ہوئے؟

ان تمام حالات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جمہوریت پسندی کا نعرہ ایک سیاسی ضرورت ہے جمہوریت ہمارے خون میں نہیں ہے، جمہوریت ہمارے خمیر میں نہیں ہے، اس لیے یوم جمہوریہ کو یوم احتساب کے طور پر منانے کی ضرورت ہے اور جمہوریہ ہند کو ایک ''مثالی جمہوری ملک'' بنانے کے لیے مثبت فکر کے ساتھ کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ پالیسیاں اور قوانین، آسانیاں پیدا کرنے کے لیے بنائے جائیں، نہ کہ دشواریاں کھڑی کرنے کے لیے۔ قانون کی بالادستی ہو، اس کا احترام ہو، قانون سازی کے ساتھ ساتھ اس کے نفاذ کی بھی فکر کی جائے اور جمہوری قدروں کو فروغ دیا جائے، تبھی عوام کے دلوں میں ان اداروں کا وقار پھر سے بحال ہوسکے گا، ورنہ جمہوریت پسند ہونے کا دعویٰ بے معنیٰ ہوگا۔ سیکولر اور سیکولرزم کا نعرہ صرف انتخابی ہتھکنڈہ ہی سمجھا جائے گا، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا قائم کرنے کا تصور ایک خواب ہی ہوگا اور تعصب کے عفریت، نہ جانے کب تک ملک کی سب سے بڑی اقلیت کا خون پیتے رہیں گے۔

مکاتیب

خط بنام علماء کرام

دعوۃُ الحق کے ایک بڑے اور اہم اجتماع میں شرکت کی دعوت پر مجلس دعوۃ الحق ہردوئی کے ناظمِ اعلیٰ اور جانشینِ حضرت محی السنہؒ حضرت حکیم محمد کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی نے یہ جواب دیا تھا، اس میں چوں کہ بہت اہم تعلیمات ہیں، اس لئے ہدیۂ قارئین کی جارہی ہیں۔ از مدیر

محترم و معظم امیر الامراء جناب مولانا مفتی محمود الحسن صاحب زید مجدہم، و دیگر علماء کرام و سامعین عظام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ سن کر دلی مسرت ہورہی ہے کہ آپ حضرات نے مجلس دعوۃ الحق کے زیر اہتمام سالانہ اجتماع کا اہتمام فرمایا ہے، بار ک اللہ تقبل اللہ، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی خدمات کو قبول فرمائے۔ اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور امت کے لئے اس اجتماع کو نافع بنائے۔ اجتماع میں شرکت کے لئے حاضری کا ارادہ تھا لیکن کچھ موانع کی بنا پر سفر نہ ہوسکا۔ انشاء اللہ ماہِ جنوری میں سفر کا ارادہ ہے۔

مجلس دعوۃ الحق کی بناء حکیم الامت مجدد الملت حضرت اقدس تھانویؒ نے رکھی پھر محی السنہ حضرت اقدس شاہ ہردوئیؒ نے ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۰ میں از سرِ نو کام شروع فرمایا، مجلس دعوۃ الحق کا بنیادی مقصد احیاءِ سنت و اصلاحِ منکرات وتصحیح تلاوتِ قرآن مجید ہے، اس کے لئے مختلف موقعوں پر اجتماعات کا اہتمام تاکہ عوام و خواص سبھی دینی تعلیمات سے واقف ہوجائیں اور مکاتب کا قیام تاکہ قرآن مجید کو صحت و تجوید کے ساتھ پڑھنے کا شعور و ذوق لوگوں میں پیدا ہو، اس کام کے لئے محی السنہ حضرت والا شاہ ہردوئی رحمہ اللہ نے پوری زندگی وقف فرمادی تھی، حق تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ کام کرنے اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

اس کے متعلق شرکاءِ اجتماع کی خدمت میں گذارشات ہیں

۱) سنتوں کا اہتمام: چوں کہ مجلس دعوۃ الحق کا بنیادی مقصد احیاءِ سنت ہے، اس لئے ہم سب کو اس کا

اہتمام کرنا چاہیئے، محی السنہ ؒ بھی سنتوں کے احیاء کے سلسلے میں حد درجہ اہتمام فرمایا کرتے تھے، بالخصوص جو سنتیں متروک ہورہی ہیں مثلاً سلام اور مسواک کی سنت وغیرہ۔ اس پر خود بھی عمل کریں اور اس کی اشاعت کریں گھروں میں بھی سنتوں کا مذاکرہ، اس پر عمل کی ترغیب واہتمام ہو۔

۲) اجتنابِ معصیت: گناہوں سے اور منکرات سے بچنے کا خاص اہتمام کریں، جس محفل میں سنتیں پامال ہورہی ہوں اور غیر شرعی رسومات ہورہی ہوں وہاں شرکت سے احتیاط کریں اس محفل میں شرکت عذابِ الٰہی کو دعوت دینا ہے، گناہوں سے خود بھی بچیں اور متعلقین کو بھی بچانے کی کوشش کریں، جس قدر اہتمام ہوگا اسی قدر ترقی ہوگی۔

۳) تصحیح تلاوتِ قرآن مجید: اس میں آج بہت زیادہ غفلت ہورہی ہے، سنت کے مطابق تلاوت نادر ہورہی ہے، اس کی طرف توجہ کی خاص ضرورت ہے، کم از کم اتنا قرآن مجید کا سیکھنا کہ جس سے نماز صحیح ہوجائے فرضِ عین ہے، ذراسی چوک ہوجائے تو نماز میں خرابی آجائیگی، الفاظ کئی معنوں میں ہوتے ہیں۔ مثلاً ا، ن، س (یعنی انس)۔ اس میں تین حروف ہیں، حرکات کو اوپر نیچے کرنے سے معنیٰ بدل جائیں گے۔ پیش لگاؤ تو "اُنس" زیر لگاؤ تو "اِنس" ہوجائے گا، اور دونوں زبر ہوں تو "اَنَس" ہوجائے گا۔ ایک ہی لفظ ہے، تین الگ الگ حرکات سے معنیٰ میں تبدیلی ہے، قرآن پاک کے الفاظ کو اور اس کی حرکات کو صحیح ادا کرنے بہت ضروری ہے ورنہ معنیٰ بدل جائیں گے اور کہیں کہیں تو نماز فاسد ہوجائے گی، اس لئے ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں خوب محنت کی جائے اور زیادہ سے زیادہ مکاتب کا قیام نیز تعلیم بالغاں کا انتظام کیا جائے۔

۴) اخلاص: جو بھی کام ہو اور جس نوع کی بھی دینی خدمت ہو وہ صرف اور صرف حق تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، نہ شخصیت مقصود ہو نہ جماعت نہ مجمع آرائی۔

۵) محاسبہ: ہر وقت اپنی نگرانی اور اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہیں کہ ہمارا کوئی قول اور فعل خلافِ شریعت نہ ہونے پائے، اور ہر وقت اس کا استحضار بدون صحبتِ شیخ کے ناممکن ہے، اس لئے کوئی رہبر تلاش کریں، اس سے وابستہ ہوں اور اس کی ہدایات پر عمل کریں۔

۶) تنقید و تنقیص، تقابل و تفاضل سے اجتناب: آج کل حضراتِ اہل علم میں بھی یہ مرض عام ہوتا جارہا ہے، یہ سمِ قاتل ہے، اس سے اپنا اعمال نامہ سیاہ کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں، تحریر اور تقریر دونوں میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے، اسی لئے میں اپنے اہلِ علم احباب کو آج کل ایک نصیحت کرتا ہوں "نہ قلم بہکے نہ زبان بہکے" مختصر سے جملے ہیں ان کو ذہن نشین کرلیں، نیز اپنے طلبہ کو بھی اس کی توجہ دلائیں۔

۷) اوقات کی پابندی: کام کے جو اوقات متعین ہیں ان کی پابندی کریں، اس میں خیانت نہ ہو، اگر ایک منٹ کی بھی خیانت ہوئی تو اتنی روزی مشکوک ہوگی۔

۸) اکلِ حلال کی فکر: اس کے خاص اہتمام کی ضرورت ہے، چندہ کے سلسلہ میں اس کا دھیان رکھا جائے، اہل خیر اور احبابِ خاص کو کام کا تعارف کرایا جائے جبر و سوال ہرگز نہ ہو، یہ علماء کی شان سے بعید ہے، طیب خاطر کے ساتھ اگرچہ تھوڑا ہو اس میں برکت ہوگی، آج کل اس سلسلہ میں مدارس میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے، اس لئے توجہ کی ضرورت ہے۔

۹) آپس میں اتحاد و اتفاق: اس سلسلہ میں حضرت شاہ ہردوئیؒ کا ملفوظ بہت ہی جامع ہے، ''دینی کام کرنے والے آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں فریق نہیں'' دینی کام کرنے والوں میں آپس میں ٹکراؤ بہت ہی نامناسب ہے۔ باہمی مشورہ سے کام کرتے رہیں۔ کوئی معاملہ پیش آجائے تو بڑوں سے رجوع کریں۔

۱۰) ایک مختصر عمل: ہر نماز کے بعد چار مرتبہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا اہتمام، بہت مختصر عمل ہے اس کلمہ کی حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے، سیدنا ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو بندہ ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے اللہ تعالیٰ اس کے بدن کا چوتھائی حصہ جہنم سے آزاد کر دیتے ہیں، جو اُسے دو مرتبہ کہے اللہ تعالیٰ اس کے بدن کا نصف حصہ جہنم سے آزاد کر دیتے ہیں، جو اُسے تین مرتبہ کہے اللہ تعالیٰ اس کے بدن کا تین چوتھائی حصہ جہنم سے آزاد کر دیتے ہیں، جو اُسے چار مرتبہ کہے اللہ تعالیٰ مکمل طور پر اُسے جہنم سے آزاد کر دیتے ہیں۔ (المعجم الاوسط للامام الطبرانی، رقم الحدیث: ۸۹۴۱)

اس پر خود بھی عمل کریں اور اس کی خوب اشاعت کریں۔

سب حاضرین کی خدمت میں سلام مسنون، سب کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو قبول فرمائے، نافع بنائے، آپ کے ملک میں امن و امان عطا فرمائے۔

والسلام

محمد کلیم اللہ عفی عنہ

خطاب

موجودہ حالات میں امت مسلمہ کی ذمہ داریاں

ادارہ اشرف العلوم کی دعوت پر حضرت مولانا سید اشہد رشیدی مدظلہ العالی مہتمم جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد کا دو روزہ سفر حیدرآباد اور نارائن کھیڑ کے لئے ہوا، اس موقعہ پر ۱۵ رڈسمبر بروز جمعہ بعد نماز عشاء سٹی جمعیۃ علماء حیدرآباد کے زیر اہتمام مسجد معراج کرما گوڑہ میں ایک جلسہ عام سے حضرت مولانا نے ’’ مسجد اقصیٰ کا تحفظ اور ہمارا ایمانی فریضہ‘‘ کے عنوان پر یہ پُر اثر خطاب فرمایا تھا، افادہ عام کے لئے پیشِ خدمت ہے۔ ازمرتب

خطبہ مسنونہ کے بعد!۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرات علماء کرام! معزز حاضرین اور نوجوان ساتھیو!

ہمارا اور آپ کا اس بات پر ایمان ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، اللہ کبھی ہمارے دشمنوں کو ہم پر مسلط کر کے ذلیل کرتا اور کبھی ہمیں عزت دیتا ہے، ہر چیز دنیا میں اللہ کے حکم سے رونما ہوتی ہے، تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ امتِ مسلمہ کو رب ذوالجلال نے عزتوں ترقیات اور کامیابیوں سے بھی مالا مال کیا ہے اور ناکامیوں نے بھی ان کے گھر کے دروازے کو دیکھا ہے چناں چہ قرآن کہتا ہے کہ عزت وذلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے، ’’وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ ؕ‘‘ وہ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے۔ اللہ کے ہاتھ میں ہے

میرے دوستو اور ساتھیو! اللہ رب العزت والجلال کی کسی سے دوستی نہیں ہے اس کے ہاں تو انسان کے اعمال کی قدر ہے اگر عمل صحیح ہے تو اللہ رب العزت خیر کے عافیت کے فیصلے فرماتے ہیں اور اگر عمل خراب ہے تو اللہ رب العزت اپنے دشمنوں کو ہمارے اوپر مسلط کر دیتے ہیں؛ چناں چہ نبی کریم ﷺ ایک حدیث شریف میں آج کل کے موجودہ حالات کی منظر کشی فرماتے ہیں کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا میری امت کو دشمن اس طرح گھیر کر کے بیٹھ جائیں گے جس طرح کہ کھانے والے کھانے کی چیز کو گھیر کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور جب کھانے کی چیز سامنے ہوتی ہے تو ہر ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ دستر خوان بچھ گیا تم بھی آؤ، تم بھی آؤ، ہر ایک دوسرے کو بُلاتا ہے اور جب سارے جمع ہو جاتے ہیں تو کھانا شروع کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

ہر ایک دوسرے کو دعوت دے گا کہ آؤ اگر تمہیں امتِ محمدیہ کی جان سے کھلواڑ کرنا ہے تو آؤ، اس کی عزت لوٹنی ہے تو آؤ، اس کے مال کو برباد کرنا ہے تو آؤ، یہودی ہیں، عیسائی ہیں اور کافر و مشرک ہیں انھوں نے پوری قوت سے چاروں طرف سے گھیرا ہے اور ہر ایک دوسرے کو دعوت دیتا ہے آؤ امت محمدیہ کی عزت، جان اور مال سے کھلواڑ کریں۔

میرے دوستو اور ساتھیو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات فرمائی تو صحابہ کرامؓ کو عجیب سی بات لگی صحابہ کرامؓ نے پوچھا من قلة نحن یومئذ یا رسول اللہ ! اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد کم ہوگی اور صحابہؓ کو یہ پوچھنے کا حق تھا کیوں کہ صحابہؓ کرام دیکھ رہے تھے ان کی تعداد تھوڑی ہے مگر وہ جدھر کا رُخ کرتے ہیں اللہ ان کو فتح و نصرت سے ہمکنار کرتا ہے، جب دشمن ان کو ہر طرف سے گھیر لیں گے اور ان کو تباہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو دعوت دیں گے تو صحابہؓ سمجھے کہ یہ اسی وقت ہوگا جب ہم قلت میں ہوں گے؟ اس لئے صحابہ کرامؓ نے پوچھا: نبی علیہ السلام فرماتے ہیں نہیں! بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل فرماتے ہیں: اس وقت تمہاری تعداد بہت ہوگی تم دنیا کے ہر ملک میں ہوگے اور ہر شہر میں ہوگے ہر آبادی میں ہوگے ہر گاؤں میں ہوگے، دوستو! بتاؤ آج مسلمانوں کی تعداد بہت ہے کہ نہیں ہے؟ ہر شہر میں ہر ملک میں ہر آبادی میں موجود ہے،

فرمایا: تمہاری تعداد اس زمانہ میں بہت ہوگی لیکن تمہاری حالت سیلاب کے پانی پر بہنے والے اس کوڑے کرکٹ کی ہوگی جس کا حال کیا ہوتا ہے پانی جدھر بہتا ہے وہ کوڑا اس کے ساتھ ادھر ہی بہتا چلا جاتا ہے پانی بائیں طرف مڑے گا تو کوڑا بھی بائیں طرف مڑ جائے گا، پانی سیدھا چلا جائے گا کوڑا بھی سیدھے چلا جائے گا پانی دائیں طرف جائے تو کوڑا بھی دائیں طرف چلا جائے گا، تمہارا حال یہ ہوگا تمہارا اپنا دین و دھرم کچھ نہیں ہوگا، اپنی شریعت کچھ نہیں ہوگی، اپنی تہذیب و تمدن کچھ نہیں ہوگا تم دنیا والوں کو جو کرتے ہوئے دیکھو گے وہی خود بھی کرنے لگو گے بتاؤ! آج یہ امت کا حال ہوگیا ہے کہ نہیں؟ ویسٹرن کلچر کے پیچھے امت بھاگ رہی ہے مغربی تہذیب کو اپنا کر یہ دکھانا چاہتی ہے کہ ہم بڑے ماڈرن ہیں لا حول و لا قوۃ الا باللہ، ایک مسلمان اللہ کے نبی کی سنتوں کو زندہ کر کے تو ماڈرن بن سکتا ہے لیکن غیروں کے طریقے پر چل کے کبھی کامیابی کی دہلیز تک نہیں پہونچ سکتا۔ اور پھر انجام کیا ہوگا؟ آج ہم بیت المقدس کو رو رہے ہیں سن لو! کان کھول کے، میں اللہ کے گھر میں بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ اگر ہم نے اپنے حالات کو نہیں بدلا تو آگے آنے والے دن آج سے زیادہ سخت ہیں، آگے آنے والے دن آج سے زیادہ بھیانک ہیں، اور آگے آنے والے حالات بہت زیادہ تکلیف دہ ہوں گے، کیوں کہ آگے اللہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں: ولینزعن اللہ من صدور عدوکم

المھابة منکم ،اور اللہ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا ڈر اور خوف نکال دے گا، جب دشمن کے دل سے ڈر نکل گیا تو آج وہ مسجدِ اقصیٰ پر اٹیک کر رہا ہے، کل کسی اور مسجد پر اٹیک کر سکتا ہے، کیوں کے اس کے دل سے مسلمانوں کا خوف نکل گیا ہے، اور یاد رکھئے! خوف؛ ہمارے دشمن کے دل میں اگر پیدا ہوگا تو ہماری نیکیوں کی وجہ سے پیدا ہوگا ہمارے ایمانِ کامل کی وجہ سے پیدا ہوگا، ہمارے اعمالِ صالحہ کی وجہ سے پیدا ہوگا، جب ہمارے اعمالِ صالحہ ختم ہو گئے، ایمانِ کامل سے امت محروم ہوگئی، نیکیوں سے دور ہوگئی، تو دشمن کے دل پر اثر پڑے تو کس چیز کا؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بارے میں فرماتے ہیں: نصرت بالرعب، مجھ سے ملنے کے لئے کافر آتا ہے وہ ابھی ایک میل کے فاصلہ پر ہوتا ہے میرا خوف اس کے دل میں بیٹھنا شروع ہو جاتا ہے، اللہ نے رعب اور خوف کے ذریعہ سے میری مدد فرمائی، اور یہ مدد صرف نبی کی نہیں ہوئی ہے اس طرح کی مدد اللہ کے نبی کی امت کی بھی ہوئی ہے، لیکن کب؟ جب نبی کے اسوہ پر یہ امت چلے گی، تو اللہ اس کا رعب بھی دوسروں کے دلوں پر ڈالے گا اور جب یہ امت نبی کے اسوہ کو چھوڑ دے گی، تو اللہ اس کا خوف دشمنوں کے دلوں سے نکال دے گا، اسرائیل ایک ملک ہے اور جہاں یہ ملک ہے اس ملک کا نام ہے فلسطین، فلسطین جس میں اسرائیل نے قبضہ کر کے اپنا ملک بنایا ہے، فلسطین خود ایک مسلم ملک اور فلسطین کے چاروں طرف حدود اربعہ سے جن ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں وہ سب کے سب مسلم ملک ہیں، ایک مسلم ملک پر اسرائیل قبضہ کر کے اپنا ملک بنا لیتا ہے چاروں طرف مسلم ملک ہیں کسی کی جرأت نہیں ہے کہ آنکھ اُٹھا کر کے اُس کو دیکھے کیوں؟ ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المھابة منکم اللہ نے تمہارا خوف دشمن کے دل سے نکالا اور دشمن تمہیں دباتا ہے، دھمکاتا ہے، آنکھیں دکھاتا ہے اور تمہیں تباہ و برباد کرتا ہے اور تم ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے ، کیوں کہ مقابلہ کی جرأت تو ایمان کے جذبہ سے پیدا ہوتی ہے، تیرا ایمان ہی ختم ہو گیا ناقص ہو گیا، نامکمل ہے تو تیرے اندر مقابلے کی جرأت کیسے پیدا ہوگی؟

میرے دوستو! اور ساتھیو! مجھے ایک واقعہ یاد آیا ایک کتاب ہے، جس میں مجاہدین کے واقعات لکھے ہیں جب افغانستان پر روس نے حملہ کیا تو وہاں ساری دنیا کے اسلام پسند مجاہدین، روس کے خلاف جمع ہوئے، تو مصر کے علماء بھی آئے اور انھوں نے بھی آکر کے اللہ کے دین کر سربلندی کے لئے وہاں جدوجہد شروع کی، ان لوگوں میں ایک صاحب تھے ان کا نام ہے ڈاکٹر عبداللہ حسان شہید انھوں نے ایک کتاب لکھی عربی میں اور بڑی عجیب کتاب ہے، میدانِ جہاد میں اللہ مجاہدین کی مدد کیسے کرتا ہے، اور اس کا کتاب کا نام ہے ”أیات الرحمن فی جھاد افغان“ وہ ایک واقعہ لکھتے ہیں: ایک مجاہد کو جو افغانی تھا اتفاق سے رات کے اندھیرے میں روسی فوجیوں نے پکڑ لیا، اور اُسے پکڑ کے اپنی کیمپ میں لے گئے، اور لے جا کر اپنے ہیڈ کے سامنے پیش کیا، کہ

صاحب! ہم ایک کو پکڑ کے لائے ہیں یہ افغانی مجاہد ہے، وہ روسی کمانڈر تھا اس نے کہا: اِسے چھوڑو، اُسے سامنے کھڑا کیا، اس سے پوچھا کہ دیکھو میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں اگر تم نے صحیح صحیح جواب دیا تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا، اس نے کہا: کرو سوال!، کمانڈر نے کہا: تم یہ بتاؤ کہ بسا اوقات ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہوتا ہے اور ہمارے پاس ایسے ٹینک ہے جن کے اوپر گولہ اور بارود کا اثر نہیں ہوتا، ہم مطمئن رہتے ہیں کہ مقابلہ ہو رہا ہے لیکن کچھ ہی دیر کے بعد ٹینک پر کوئی گولا لگتا ہے اور آگ بھڑکتی اور وہ جل کے ختم ہو جاتا ہے، تو کمانڈر نے پوچھا: تمہارے پاس ایسی کونسی چیز ہے جو ہمارے ان ٹینکوں کو آگ لگا دیتے ہو جن کے اوپر آگ اثر انداز ہی نہیں ہو سکتی، کیسے لگ جاتی ہے؟ بس تم ہمارے اس سوال کا جواب دے دو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے، وہ مجاہد جوش میں آیا: اور اس نے کہا: تم گولے کی بات کرتے ہو؟ اگر میں ایک مُٹھی مٹی لے کر تمہارے ٹینک پر پھینک دوں تو وہ مٹی بھی اس کو بھسم کر دے گی، کمانڈر کہتا ہے؟ یہ ٹینک کھڑا ہے اس پر مٹی پھینک، دیکھتا ہوں میں کیسے آگ لگتی ہے؟ وہ مجاہد کہتا ہے کہ میرے پیر سے زمین نکل گئی، کہ میں نے جوش میں ایک بات کہدی ہے مگر کہیں مٹی سے آگ لگتی ہے؟ میں نے کمانڈر سے کہا: اچھا مجھے پانی دے میں وضو کروں گا اور دو رکعت نماز پڑھوں گا، اس نے پانی دے دیا میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور نماز میں اللہ سے بڑی دعا کی کہ اے اللہ میرے پاس تو کوئی طاقت ہے نہیں طاقت تو تیرے پاس ہے اے اللہ! یہ اسلام اور کفر کا مقابلہ ہے، اس میں تو میری مدد فرما اور جو میرے منہ کو آیا میں نے دعا کی، اور دعا سے فارغ ہو کر جہاں سے نماز پڑھا تھا وہیں سے کپڑا ہٹا کے مٹی اُٹھائی اور ٹینک پر پھینک دی اور بس، وہ کمانڈر، اس کی فوج اور خود میں یہ دیکھ کر حیران رہا کہ اِدھر مٹی ٹینک پر پڑی اور اُدھر آگ کا شعلہ بھڑکا اور پورا کا پورا ٹینک جل کر ختم ہو گیا۔

یہ کونسی قوت تھی؟ مٹی تو نہیں جلا سکتی، لیکن ایمان کی قوت ہر کام کو انجام دے سکتی ہے، اللہ پر ایمان مضبوط ہو تو مٹی بھی آگ جلانے کا کام کر سکتی ہے، یاد رکھو! اللہ پر ایمان مضبوط ہو تو انسان حد کو عبور کر کے آگے بڑھ سکتا ہے، اللہ پر ایمان مضبوط ہو تو جنگل کے موذی جانور بھی تمہارے لئے راستہ چھوڑ دیں گے، خدا کے دین پر ایمان مضبوط ہو تو ان راہوں سے مدد ہو گی جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا، وہ مجاہد کہتا ہے جب ٹینک جل کر راکھ ہو گیا تو وہ کمانڈر اٹھا اور اس نے مجھے فوجی سلوٹ مارا اور اپنے تمام فوجیوں سے کہا کہ اس کو پورے فوجی اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کے کیمپ میں چھوڑ دو، عزت و ذلت کس کے ہاتھ میں ہے؟ اللہ کے ہاتھ میں ہے، موت و حیات کا مالک کون ہے؟ اللہ ہے، اللہ رب العزت قرآن میں وعدہ کرتا ہے: اور کہتا ہے، امریکہ کے پاس بہت طاقت ہے تو ہوا کرے، برطانیہ کے پاس بہت طاقت ہے ہوا کرے، اسرائیل نے بہت ایٹم بم بنا رکھے ہیں تو فکر نہ کرو تم ایک کام کرو، کیا؟ فرماتا ہے: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اللہ دونوں

باتیں کہتا ہے، کہتا ہے وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا تم کمزور مت پڑو، اور فکر اور غم میں مبتلا مت ہو، اگر تمہارا ایمان مضبوط ہوگا تو یقیناً کامیابی تمہارے ہی قدموں کو چومے گی۔

میرے دوستو! اور ساتھیو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کہ جب تم دوسروں کی دیکھا دیکھی اُلٹے سیدھے کاموں میں مبتلا ہوگے تو اللہ رب العزت تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا خوف نکال دے گا، کتنے ساتھی یہاں بیٹھے ہیں میں دیکھ رہا ہوں بہت سے ساتھیوں کے چہروں پر داڑھیاں نہیں ہیں، تم نے کس کو دیکھ کر داڑھیاں منڈھوائیں؟ مسلمان آج کس کی نقل میں اپنی داڑھیوں کو صاف کر رہا ہے، دوسروں کو دیکھتا ہے اور ماڈرن بننے کے لئے داڑھیوں کو صاف کرکے نبی کی سنت کو کھرچ کے کر نالیوں میں بہا دیتا ہے، بتاؤ! دشمن مسلط نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ شادی بیاہ کے موقع پر مسلمان غیروں کے طریقے کو اپنا رہا ہے کہ نہیں اپنا رہا ہے؟ جس کے جیب میں چند ٹکے آجاتے ہیں تو اس کا پیر تو زمین پر پڑتا ہی نہیں، وہ سوچتا ہے میں نے کمایا ہے کون ہوتا ہے مجھ سے سوال کرنے والا، وہ پوچھتا ہے، تو نے کمایا نہیں ہے؟ ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آیا ہے، دینے والی ذات تو اللہ کی ہے، اور جس نے دیا وہ وہ حساب لینے کی بھرپور طاقت بھی رکھتا ہے، چناں چہ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حدیث شریف میں فرماتے ہیں: کل قیامت کے دن میدانِ محشر میں ہر ایک سے سوال ہوگا من این اکتسبہ و فیما انفقہ، مال کمایا تو کہاں سے کمایا؟ اور کمالیا تو جائز راستوں سے کمایا، بڑی محنت سے کمایا اور سمجھتا ہے میرا ہے، ارے بے وقوف وہ تیرا نہیں ہے یہاں دوسرا سوال ہوگا و فیما انفقہ یہ بتا مال کو خرچ کیا تو کہاں کہاں کیا، تو مالک نہیں، مالک وہ ہے جو تجھ سے ایک ایک پیسہ کا حساب لینے کا حق رکھتا ہے۔

میرے دوستو اور ساتھیو! اپنی زندگی کو سدھارو تو حالات سدھریں گے، اور اگر زندگیاں ہماری نہیں سدھریں تو یہ حالات بھی کبھی نہیں سدھریں گے، بلکہ اور خراب ہوتے جائیں گے، اور حالت کہاں تک پہونچے گی فرمایا: ولیقذفن فی قلوبکم الوھن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم نے اپنے حالات کو درست نہیں کیا اور تم نے اپنی زندگی کے رخ کو تبدیل نہیں کیا، سنتوں کو زندہ نہیں کیا، اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں آگے نہیں آئے تو اللہ رب العزت تمہارے دشمنوں کے قلوب سے تمہارا خوف نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں کمزوری اور ضعف کو پیدا کر دے گا۔

صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! ما الوھن اے اللہ کے نبی کمزوری پیدا ہوگی، کیسی کمزوری؟ آقا جس کمزوری کی وضاحت کر رہے ہیں وہ آج ہم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں حب الدنیا و کراھیۃ الموت کہ تمہارے دل میں دنیا کی محبت بیٹھ جائے گی، تمہیں دنیا چاہیئے، چاہے جائز طریقے سے آئے چاہے ناجائز طریقے سے، دنیا چاہئے، چاہے سچ بول کر ملے چاہے جھوٹ بول کے ملے، دنیا چاہیئے، چاہے ایمان داری سے ملے

چاہے بے ایمانی سے، دنیا چاہیئے، چاہے کسی کو دھوکہ دے کر ملے چاہے کسی کا حق مار کر ملے، بتاؤ آج ایسا ہو رہا کہ نہیں ہو رہا ہے، حب الدنیا و کراھیۃ الموت اور تم موت سے بھاگنے لگو گے، دیکھو موت محبوب کس کو ہوگی ،مسلمان ہے اور موت سے بھاگ رہا ہے ہماری بربادی کی جڑ یہی ہے کہ مسلمان موت سے بھاگنے لگا ہے، لیکن موت محبوب کس کو ہوگی؟ موت اسی کو محبوب ہوگی جو سمجھے گا موت محبوب سے ملاقات کا راستہ اور واسطہ ہے، جس نے خدا کو اپنا دشمن بنالیا جس نے خدا کو ناراض کرر کھا ہے، بتاؤ اس کے دل میں موت کی محبت کیسے پیدا ہوگی؟

چناں چہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: الموت جسر یو صل الحبیب الی الحبیب کہ موت تو ایک پُل ہے جس پر چل کر ایک محبوب دوسرے محبوب سے ملتا ہے وہ خدا کو محبوب بنانے میں ناکام ہوا ہے، اسی لئے وہ موت سے بھاگتا ہے۔

میرے دوستو اور ساتھیو! مسجد اقصیٰ کی حیثیت امتِ مسلمہ کے لئے بڑی عظمت کی حامل ہے اور وہ ہمارے لئے قبلۂ اولیٰ ہے، اللہ رب العزت نے دشمنوں کو وہاں مسلط کیا ہے، ہم کو دشمنوں کی ہر کاروائی کی مذمت کرنی ہے، ان کے معاونین کی بھی مذمت کرنی ہے، ہم ان کی ہر چال کو گری ہوئی نظر سے دیکھتے ہیں یہ ساری چیزیں اپنی جگہ، لیکن یاد رکھو! دنیا دارالاسباب ہے، ہر عمل کسی نے کسی سبب سے جُڑا ہے، یہ دشمن مسلط ہوا اس کا کوئی سبب ہے سبب تلاش کرو، یہودیوں کو وہاں رہنے کا موقع ملا، غصب کر کے حکومت کے بنانے کے اُنھیں فرصت اور لمحات میسر آئے ہیں سبب تلاش کرو، مسلمان غلامانہ زندگی گذارنے پر مجبور ہو رہا ہے، سبب تلاش کرو ،سبب یہی ہے کہ اللہ فرماتے ہیں: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۴۱﴾ ارے یہ سب ہمارے ہاتھوں کے کرتوت ہیں جن کی وجہ سے آج امت ذلت سے ناکامی سے بربادی اور تباہی سے دوچار ہو رہی ہے اللہ رب العزت فرماتا ہے خشکی میں یا تری میں کوئی بربادی یا مصیبت آتی ہے تو یاد رکھو! اے مسلمانو یہ تمہارے اپنے برے اعمال کا نتیجہ ہے، یہ میں نہیں کہتا، اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنے ایمان کو چھوڑ کر کے غیروں کے راہ پر چل چکا ہے مسلمان اپنی اسلامی تہذیب کو چھوڑ کر دوسروں کے طریقوں کو اپنا چکا ہے، مسلمان اپنے ظاہر کو بھی خراب کر چکا ہے اور باطن کو بھی خراب کر چکا ہے، اسی لئے دوسروں کو بُرا کہنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو ہم ٹھیک ہوں گے تو اللہ رب العزت حالات کو درست کر دیں گے اور اگر ہم ٹھیک نہ ہوں گے تو حالات مزید خراب سے خراب تر ہو جائیں گے۔ اس لئے تین کام کر لو، ان حالات میں ہمیں تین کام کرنے ہیں جس نے یہ تین کام کئے اللہ رب العزت اس کی برکت سے اس کو اور امت کو بہت سی آفتوں سے محفوظ رکھے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم یہ طے کر لیں کہ زندگی کے آخری سانس تک ہمیشہ حق تلفی کے گناہ سے اپنے دامن

کو بچا کے رکھیں گے، بھائی کا حق نکلے گا، بہن کا حق نکلے گا، پاٹنر کا حق نکلے گا، ہندو کا حق نکلے گا، مسلمان کا حق ہو گا کسی بھی انسان کا حق ہماری طرف ہو گا تو ادا کر دیں گے، مسلمان اگر ان حقوق کی حفاظت کرنے والا بن جائے اللہ رب العزت اس کے حق کی حفاظت کرے گا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث میں وضاحت فرماتے ہیں کہ: احفظ اللہ یحفظک تو اللہ کے بندوں کے حقوق کی، اللہ کے احکامات کی، اللہ کے قانون و شریعت کی حفاظت کر تو اللہ تیری حفاظت کرے گا اور اگر تو خدا کے احکام کی حفاظت نہیں کرے گا تو رب ذوالجلال تیری کوئی حفاظت نہیں کرے گا، دوستو! جس کا جو حق ہماری طرف نکلے گا پہلی فرصت میں وہ حق ادا کریں، یہاں جتنے ساتھی بیٹھے ہیں اگر ان کی طرف کسی کا حق نکلے گا اور ابھی تک انہوں نے ادا نہیں کیا چاہے بہن کا ہو بھائی کا ہو، پاٹنر کا ہو، پڑوسی کا ہو، اللہ کے گھر میں بیٹھ کر سچے دل سے توبہ کرو اور عہد کرو کہ اے رب میں پہلی فرصت میں ان کو ادا کروں گا۔؟

دوسرا کام: یہ بات طے کر لو کہ زندگی کی آخری سانس تک اپنے سینے کو دوسرے کی طرف سے حسد اور جلن سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے، جس کا سینہ اور دل حسد اور جلن سے محفوظ رہے گا اللہ رب العزت اس کی نیکیوں کے اجر و ثواب کو محفوظ رکھیں گے جس کے اندر حسد ہے جلن ہے بغض ہے، عناد ہے، یاد رکھو! نیکیاں تباہی کے گھاٹ اُتر جائیں گی اور جب نیکی ہی تیرے دامن میں نہیں رہے گی تو خدا کی رحمت کے دروازے کیسے کھلیں گے؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں بتاؤ آج مسلمانوں میں حسد اور جلن عام ہو رہا ہے کہ نہیں ہو رہا ہے؟ ہم کسی کو بڑھتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، ہم کسی کو خوش وخرم نہیں دیکھ سکتے، ہم کسی کو عزت حاصل کرتے نہیں دیکھ سکتے، ہم کسی کو چین وسکون کی زندگی گذارتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے، جب حسد ہمارے دلوں میں ہے تو نیکیاں محفوظ کیسے رہیں گی؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب'' کہ حسد انسان کی نیکیوں کو ایسے کھا جائے گا جیسے خشک لکڑی کو آگ کھا کر ختم کر دیتی ہے، اپنے ظاہر کو بھی درست کرو اور اپنے باطن کو بھی درست کرو۔ اس لئے دل کو پاک وصاف رکھو، جس کو ترقی کرنا ہے کرے، جس خدا نے اُسے دیا ہے وہ ہمیں بھی دے گا، کوئی آگے بڑھ رہا ہے بڑھے، جو خدا اس کو آگے بڑھنے کے مواقع دے رہا وہ ہمیں بھی عطا کرے گا، جلن اور حسد کا کیا مطلب ہے، جس کی تقدیر میں جو لکھا ہے وہ اُسے ملے گا، تو اُسے دیکھ کر جل رہا گو یا تو خدا کے فیصلے کے خلاف کھڑے ہونے کی کوشش کر رہا ہے، بتا! بربادی کے سوا اور کیا ملے گا؟

تیسرا کام: اگر تباہی و بربادی سے بچنا چاہتے ہو تو چوبیس گھنے میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر توبہ واستغفار کی کثرت کرو، توبہ واستغفار کی کثرت انسان کو بہت سی تباہیوں سے اور امت کو بہت سی پریشانیوں سے محفوظ رکھنے کا نسخۂ کیمیا ہے، اور آج میں آپ سے پوچھتا ہوں صبح سے شام ہو جاتی ہے، شام سے صبح ہو جاتی ہے، چوبیس

گھنٹے میں، مجھے بتاؤ کیا تھوڑا سا وقت اپنے گناہوں کو یاد کرکے، روکر کے توبہ واستغفار کرنے کا موقعہ ملتا ہے، بولو بھائی ملتا ہے؟ دکان پر بیٹھنے کا وقت ملتا ہے، کاروبار کرنے کا وقت ملتا ہے، بیوی بچوں کے ساتھ ہنسنے بولنے کا وقت ملتا ہے اپنے گناہوں کو یاد کرکے رونے کا ٹائم نہیں ملتا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اگر یہ امت گناہوں کو یاد کرکے روئے گی تو پریشانیوں سے محفوظ رہے گی، کون کہتا ہے اللہ کہتا ہے: اور کیا کہتا ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝۳۳ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب تک آپ کی ذاتِ بابرکت اس امت کے درمیان میں ہے تب تک میں اس کو دشمنوں سے محفوظ رکھوں گا، آفتوں سے محفوظ رکھوں گا، پریشانیوں سے محفوظ رکھوں گا لیکن امت قیامت تک رہے گی نبی تو قیامت تک رہنے والے نہیں آگے جملے میں ارشاد فرمایا آپ کے جانے کے بعد جب تک یہ امت توبہ واستغفار کرتی رہے گی میں اس کی حفاظت کروں گا اور اس کے گناہوں کو معاف کروں گا اس کو عذاب سے بچاتا رہوں گا جب امت نے استغفار چھوڑ دیا تو ایک طرف یہودی برباد کررہے ہیں دوسری طرف عیسائی خون سے ہولی کھیل رہے ہیں اور تیسری طرف کفار مسلمانوں کو زندہ جلا رہے ہیں۔

میرے دوستو اور ساتھیو! استغفر الله العظیم پڑھنے میں کتنے سکنڈ لگے اگر سکینڈ کی گھڑی اور سوئی سامنے رکھ کر پڑھو تو ایک سکنڈ یا دو سکنڈ سے زیادہ نہیں لگے گا اور ہو گا کیا؟ اللہ کے نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ گناہوں کے پہاڑ کے پہاڑ ہوں گے تب بھی اللہ معاف کردے گا، اس کے سامنے ندامت کا اظہار کرکے تو دیکھ، اپنے گناہوں پر شرمندگی کا اظہار کرکے تو دیکھ، اس لئے میرے دوستو تیسرا کام ہے توبہ واستغفار کی کثرت۔ میں جو باتیں کہہ رہا ہوں اس یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ آج کے حالات میں اس سے بہترین اور اس کے علاوہ نجات کی شکل کچھ نہیں، اس لئے طے کرو کہ ہر آدمی روزانہ ایک تسبیح استغفار کی صبح کو اور ایک تسبیح شام کو، اور تسبیح پوری کرے دعا کرو، اے اللہ! میرے گناہ بھی معاف فرما اور امت کے گناہ بھی معاف فرما، استغفر الله العظیم گھڑی دیکھ کر پڑھو گے تو دس منٹ سے پہلی ہی، آٹھ منٹ میں ایک تسبیح ہو جائے گی۔ اللہ کے یہاں اس کا بڑا اجر وثواب ہے، اللہ رب العزت نے قرآن میں اعلان کردیا ہے، توبہ کرکے دیکھو، گناہوں پر رو کے دیکھو، سچے دل سے استغفار کرو تو میں تمہارے گناہوں کو معاف ہی نہیں کروں گا بلکہ تمہاری برائیوں کو بھی نیکیوں سے بدل دوں گا۔

پہلا کام دوسروں کے حقوق کو ادا کرنا، دوسرا کام اپنے دل کو حسد اور جلن کے گناہ سے محفوظ رکھنا، تیسرا کام توبہ واستغفار کرتے ہوئے روزانہ ایک استغفار کی تسبیح صبح اور ایک تسبیح شام اگر آپ یہ کام کرو گے تو اللہ آپ کی بھی حفاظت کرے گا، اور آپ کے ذریعہ امت کی بھی حفاظت کرے گا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فکر ونظر

بیت المقدس اسرائیل کا دارالحکومت کیوں نہیں ہوسکتا؟

از: مولانا سید احمد ومیض ندوی*

اسلام دشمنی کی آڑ میں صدارتی انتخابات جیتنے والے امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے اپنی انتخابی مہم کے دوران کیئے گئے وعدے کی تکمیل کرتے ہوئے بیت المقدس کے اسرائیلی راجدھانی ہونے کا اعلان کردیا ہے، امریکی صدر کا یہ فیصلہ امتِ مسلمہ کے جسم میں ایک ایسا کاری زخم ہے جس سے طویل عرصہ تک خون رستا رہے گا، یہ دراصل ملتِ اسلامیہ کے تشخص اور اس کے رگِ جان پر حملہ ہے، جس کے نہ صرف دوررس اثرات مرتب ہوں گے؛ بلکہ مشرق وسطیٰ کی نئی صورت گری ہوگی، ٹرمپ کا یہ اقدام گریٹر اسرائیل اور ہیکل سلیمانی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی سمت عملی قدم ہے۔

ارض فلسطین اور بیت المقدس سے امتِ مسلمہ کی وابستگی

اقوام متحدہ کی مرضی کے خلاف اور تمام بین الاقوامی قوانین کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ٹرمپ نے امریکی سفارت خانہ کو یروشلم منتقل کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے۔ یہ دراصل پوری امتِ مسلمہ کو للکارنا ہے؛ اس لیے کہ بیت المقدس کا مسئلہ اسلامی تاریخ، اسلامی ثقافت اور اسلامی عقائد سے جڑا ہوا ہے، بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے، معراج کے موقعہ پر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مقام پر انبیاء کرام کی امامت فرمائی تھی، اسلام میں بیت المقدس کو حرم کا درجہ حاصل ہے، مکہ اور مدینہ منورہ کے بعد یہ مقدس ترین مقام ہے، بیت المقدس کی سرزمین حضرات انبیاء کرام کا مسکن رہی ہے، جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اسی سرزمین کی طرف ہجرت فرمائی، حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی سرزمین کو جائے سکونت کے طور پر اپنایا، اور یہیں اپنا ایک محراب بھی تعمیر فرمایا، حضرت سلیمان علیہ السلام اسی جگہ سے ساری دنیا پر حکومت کرتے تھے، حضرت زکریا علیہ السلام کا محراب بھی اسی شہر میں ہے، اسی شہر میں حضرت مریمؑ کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی سرزمین کے تعلق سے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم اس مقدس شہر میں داخل ہوجاؤ، قصۂ جالوت وطالوت کا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے، بیت المقدس میں پڑھی

*استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد

جانے والی ہر نماز کا اجر ۵۰۰ گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے، یہ وہ مقام ہے جس کی زیارت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو تلقین فرمائی ہے، اسی سرزمین سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتوں آسمانوں پر لے جایا گیا، اور اسی سفر میں آپ نے جنت وجہنم کے مختلف مناظر دیکھے، اور متعدد انبیاء کرام سے ملاقات فرمائی، یہی وہ سرزمین ہے جہاں کئی معجزات وقوع پذیر ہوئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسی شہر سے انھیں آسمان پر اٹھالیا، قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول بھی اسی مقدس سرزمین پر ہوگا، اسی شہر کے مقام لُد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح دجال کو قتل کریں گے، فلسطین ارض محشر ہے، اسی زمین سے یاجوج وماجوج کے فساد کا آغاز ہوگا، عہدِ فاروقی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دنیا بھر کی فتوحات چھوڑ کر یہاں آجانا اور نماز ادا کرنا بھی اس کی عظمت کو اُجاگر کرتا ہے، اسلام میں بیت المقدس کا وہی مقام ہے جو حرمین شریفین کا ہے؛ اسی لیے اسے قبلۂ اول اور تیسرا حرم کہا جاتا ہے، یہ سرزمین دنیا کے سارے مسلمانوں کی عقیدتوں کا مرجع اور محبتوں کا مرکز ہے، قرآن مجید نے الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ کے نہایت اونچے خطاب سے اسے یاد کیا، یہ انبیاء کی بستی ہے، اس کے چپے چپے میں تاریخ سانس لیتی ہے، اور یہاں کا ایک ایک ذرہ خوشبو میں بسا ہوا ہے، اسلام اور مسلمانوں سے اس قدر گہرا تعلق رکھنے والے بیت المقدس کو اسرائیلی راجدھانی قرار دینا دراصل پوری امتِ مسلمہ کو للکارنا ہے، امریکا کے جنونی صدر کے اس فیصلہ اور اس کی مکارانہ چالوں کی زد میں صرف فلسطین ہی نہیں بلکہ مشرق وسطیٰ کا پورا خطہ آجائے گا، ویسے امریکی کانگریس نے ۱۹۹۵ء ہی میں القدس کو اسرائیلی راجدھانی قرار دینے کا فیصلہ کردیا تھا، مسئلہ کی حساسیت اور اس کے دوررس اثرات کے پیش نظر سابقہ امریکی صدور اسے ٹالتے رہے؛ لیکن موجودہ صدر نے ہر قسم کے عواقب ونتائج کی پرواہ کئے بغیر ایک ایسا قدم اٹھایا ہے، جو پورے خطہ کو بدامنی کی آگ میں جھونک سکتا ہے۔

یروشلم کی تاریخی حیثیت

یروشلم جزیرۃ العرب کے اس خطہ کو کہا جاتا ہے جو موریہ، صیہون، اکرا اور بزلیتھا نامی چار پہاڑیوں کے درمیان آباد ہے، اس کی بنیاد مملکت سالم کے بادشاہ ملک صدق نے رکھی تھی، جس ملک میں یہ شہر آباد ہے اسے اس زمانہ میں یہودیہ، کنعان اور شام کہا جاتا تھا، مکمل ایک صدی کے بعد جب اس شہر پر یبوسی قابض ہوئے تو انھوں نے اس کا نام یابوس رکھ دیا، پھر مرورِ زمانہ کے ساتھ یبوسالم ہوا، اور اخیر میں یروشلم ہوگیا، اس شہر کو القدس یا بیت المقدس کہا جاتا ہے، یہ شہر اگرچہ مسلمان، عیسائی اور یہودی آسمانی مذاہب کی حامل تینوں بڑی قوموں کے یہاں مقدس ہے؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ تاریخ کے تمام ادوار میں اہل اسلام ہی کی

ملکیت رہی ، بیت المقدس کے تعلق سے عیسائیوں اور یہودیوں کا حق تسلیم کرنا سراسر غلط ہے، اس شہر کی ابتدائی تاریخ کا سرسری جائزہ اس حقیقت کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہودی القدس یا فلسطین کے اصل باشندے نہیں ہیں، بیت المقدس کے اصل باشندے ہونے کا یہودی دعویٰ محض مغالطہ ہے، قدیم تاریخی مآخذ سے پتہ چلتا ہے کہ اس علاقے کے اصل باشندے کنعانی عرب تھے، طوفان نوح کے بعد جو قومیں سامی اقوام سے مشہور ہوئیں ان کا اولین مسکن جزیرۃ العرب تھا، جس کی سرحدیں مشرق میں خلیج عقبہ اور فلسطین تک اور شمال مشرق میں نہر فرات تک پھیلی ہوئی ہیں، علامہ سید سلیمان ندوی کے مطابق اکثر قابل لحاظ یورپی مورخین نے اسی کی تائید کی ہے، یہود کی تاریخ شاہد ہے کہ وہ القدس میں جس کی تعمیر کنعانیوں نے کی تھی، تقریباً ۱۳۰۰ برس قبل مسیح داخل ہوئے، اور ۲۰۰ سال کی طویل کشمکش کے بعد اس پر قابض ہوئے، اس لحاظ سے القدس یا یروشلم کے اصل باشندے یہودی نہیں کنعانی تھے، القدس یا فلسطین میں یہودیوں کی آمد حقیقی باشندوں کے طور پر نہیں؛ بلکہ غاصبین کے طور پر ہوئی، اصل باشندوں کا قتل عام کر کے اس علاقہ پر یہودی قابض ہوئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو نبوت و بادشاہت عطا فرمائی تھی، ان پیغمبروں کے ذریعہ ان کی متحدہ ریاست قائم ہوئی؛ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد یہودی نہ صرف آپسی خانہ جنگی کا شکار ہوئے؛ بلکہ اپنے پیغمبروں کی تعلیم سے دوری اور خدا کی نافرمانی کے سبب وہ متعدد مرتبہ عذاب الٰہی سے دوچار ہوئے، یہودی سلطنت کے پانچویں سال شاہِ مصر سیسق نے القدس پر چڑھائی کی تھی؛ چنانچہ کتاب ''سلاطین'' میں لکھا ہے: ''رجیعام بادشاہ کے پانچویں سال شاہِ مصر سیسق نے یروشلم پر چڑھائی کردی، اور اس نے خداوند کے گھر کے خزانوں اور شاہی محل کے خزانوں کو لے لیا'' اس کے بعد تقریباً ۷۴۰ ق م میں آشوریوں نے یہود کو فلسطین سے بے دخل کردیا، پھر بخت نصر کا حملہ ہوا جس میں توریت ضائع ہوگئی، اور بہت سے یہودی مارے گئے، اور کچھ کو بابل لے جا کر قید کیا گیا، بخت نصر کے حملہ کے بعد پھر ایرانیوں کے ذریعہ کچھ عرصہ کے لیے فلسطین ہی میں انھیں آباد ہونے کا موقع ملا، مگر زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ یونانی اور رومی ان پر قہر الٰہی بن کر ٹوٹ پڑے، اور انھیں فلسطین سے بے دخل کردیا، طیطس رومی کے حملہ میں لاکھوں میں یہودی قتل کردئے گئے، اور ہیکل مقدس کو جلا دیا گیا، اس حادثہ کے ۶۵ سال بعد قیصر کے عہد میں پانچویں مرتبہ یہودیوں نے بغاوت کی؛ مگر انھیں شکست سے دوچار ہونا پڑا، قیصر نے نہ صرف یہودیوں پر بدترین ظلم کیا؛ بلکہ ہیکل کو تباہ کر کے اس پر ہل چلوادیا، اور وہاں ایک مندر تعمیر کروایا، اسی زمانہ میں یروشلم کا نام ایلیاء رکھ دیا گیا، قیصر کے حملہ میں تقریباً پانچ لاکھ یہودی مارے گئے، اس سے قبل بخت نصر کے حملہ میں

ہیکلِ سلیمانی کوز میں بوس کر دیا گیا تھا، اور طویل عرصہ تک یہودی جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے، ایرانی دور اقتدار میں جب پھر سے یہودی جنوبی فلسطین میں آباد ہوئے تو دوبارہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی گئی، اس مرتبہ یہودی ۴۰۰ سال سے زیادہ نہیں ٹک سکے، رومی سلطنت کے خلاف بغاوت کی پاداش میں جب انھیں دوبارہ جلاوطن کر دیا گیا تو جنوبی فلسطین میں عرب قبائل اسی طرح آباد ہوئے جس طرح وہ ۸۰۰ سال پہلے شمالی فلسطین میں آباد تھے۔

اس پوری تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ یہودی فلسطین اور بیت المقدس کے اصل باشندے نہیں تھے، اور ارض فلسطین پر ان کا دعویٰ کسی طرح درست نہیں، شمالی فلسطین میں یہودیوں کی مدتِ اقامت ۴۰۰ سال اور جنوبی فلسطین میں ۸۰۰ سال سے زیادہ نہیں؛ جب کہ یہودیوں کے برخلاف عرب قبائل شمالی فلسطین میں ڈھائی ہزار سال سے اور جنوبی فلسطین میں ۲۰۰۰ سال سے آباد ہیں، پھر ۱۶ھ میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کر لیا، اور وہاں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا، اموی خلیفہ عبدالملک کے زمانہ میں یہاں مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کی عالی شان تعمیر ہوئی، فتح بیت المقدس کے ۴۶۲ سال بعد ۱۰۹۹ء میں پہلی صلیبی جنگ کے موقع پر بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا، جس میں ستر ہزار مسلمان شہید کر دئے گئے؛ لیکن ۸۸ سال بعد ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بیت المقدس پھر فتح ہو کر مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا، ۱۲۲۸ء سے ۱۲۴۴ء تک اس مقدس شہر کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا، اس طرح ایک سو سال کے علاوہ ۶۳۷ء سے ۱۹۱۷ء تک یہ مبارک شہر مسلمانوں ہی کے قبضہ میں رہا، بالآخر ۱۹۱۷ء میں خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے ساتھ بیت المقدس اور فلسطین کے دوسرے علاقے برطانیہ کے زیر قبضہ آ گئے، اور یہیں سے فلسطین اور بیت المقدس کے خلاف سازشوں کا جال بنا جانے لگا، برطانیہ نے ۲/نومبر ۱۹۱۷ء میں یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جسے بالفور معاہدہ کہا جاتا ہے، اس معاہدہ میں برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے ایک یہودی نمائندہ کے نام اپنی ایک تحریر کے ذریعہ فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن بنانے کی اجازت دے دی، برطانیہ کا یہ معاہدہ بدترین خیانت تھی، ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ نے فلسطین میں یہودی حق کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے ایک حصہ پر یہودیوں کو اپنی حکومت بنانے کی قانونی اجازت دے دی، ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو یہودیوں اور عربوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ صادر کیا، بالآخر ۱۹۴۸ء میں ارض فلسطین پر اسرائیل کی شکل میں ایک ناجائز مملکت وجود میں آ گئی، خلافتِ عثمانیہ کے آخری خلیفہ عبدالحمید ثانی پر جب مغربی ملکوں نے فلسطین کو یہودیوں کے حوالے کرنے کے لیے دباؤ ڈالا تو عثمانی خلیفہ نے صاف الفاظ

میں کہا کہ سرزمین فلسطین کا ایک انچ بھی یہودیوں کو نہیں دوں گا؛ کیوں کہ فلسطین میرا نہیں امت کا ہے، اور امت نے اس سرزمین کی حفاظت کے لیے اپنا خون بہایا ہے، ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۷ء تک القدس شہر مسلمانوں کے ملک اُردن ہی کا ایک حصہ رہا، ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد فلسطین دیگر علاقوں کے ساتھ القدس شہر پر بھی اسرائیل قابض ہوا؛ اگرچہ اسرائیل طاقت کے زور پر القدس پر قابض ہوا؛ لیکن اس سے القدس قانونی طور پر اسرائیل کا حصہ ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی ہوسکتا ہے؛ اس لیے کہ جس وقت برطانیہ اور اقوام متحدہ کی سرپرستی میں اسرائیل کا قیام عمل میں لایا گیا، اسی وقت یہ بات طے کردی گئی تھی کہ یروشلم اسرائیل کا حصہ نہیں ہوگا، ایسے میں امریکی صدر کا یروشلم کو اسرائیلی راجدھانی قرار دینا اور سفارت خانہ کو ادھر منتقل کرنے کا فیصلہ کرنا بین الاقوامی قوانین کی صریح خلاف ورزی ہے، ۲۹ رنومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد نمبر ۱۸۱ کے تحت یہ فیصلہ دیا کہ یروشلم کی حیثیت CORPUS SEPARATUM کی ہوگی، یعنی یہ شہر اب کسی ایک ریاست کا حصہ نہیں؛ بلکہ اس کی جداگانہ حیثیت ہے؛ چوں کہ یہ شہر تینوں مذاہب کے لیے محترم ہے؛ اس لیے اس علاقے میں فلسطین اور اسرائیل کے نام سے دو ریاستیں تو رہیں گی؛ لیکن یروشلم کی جداگانہ حیثیت ہوگی، اس کا انتظام اقوام متحدہ چلائے گی، ۱۱ رستمبر ۱۹۴۸ء کی قرارداد نمبر ۱۹۴ میں بھی اقوام متحدہ نے اس بات کا اعادہ کیا، نیز اسی بات کو فلسطین پر اقوام متحدہ کے کمیشن (UNCCP) نے ۱۹۴۹ء میں سوئزرلینڈ کے شہر لاؤزین میں ۲۷ راپریل سے ۱۲ رستمبر تک جاری کانفرنس میں بھی دہرایا، اتنا ہی نہیں ۱۹۴۹ء میں اسرائیل نے جب مصر، اردن، شام اور لبنان سے صلح کے معاہدہ کیے تو ان میں بھی یروشلم کی یہ حیثیت برقرار رکھی گئی، ایک انتظام کے تحت مشرقی یروشلم اردن کے پاس چلا گیا، مسجد اقصیٰ، قبۃ الصخرۃ، مغربی دیوار اور کنیسۃ القیامۃ سارے مقدس مقامات اسی مشرقی یروشلم میں واقع ہیں، ۱۹۶۷ء تک یہ مقامات مسلمانوں ہی کے پاس رہے اور اردن ان کے انتظامی معاملات کو دیکھتا رہا، ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل مشرقی یروشلم پر قابض ہوا؛ لیکن عالمی برادری نے آج تک اس قبضہ کو تسلیم نہیں کیا، اقوام متحدہ کے مطابق مشرقی یروشلم مقبوضہ فلسطین ہے، اسے کسی صورت اسرائیل نہیں کہا جاسکتا، سلامتی کونسل نے ۲۲ رنومبر ۱۹۶۷ء کو قرارداد نمبر ۲۴۲ کے ذریعہ اسرائیل کو مشرقی یروشلم چھوڑنے کا حکم صادر کیا، اس قرارداد کو امریکا سمیت ۱۵ ممالک کے ووٹ ملے، پھر ۴ رجولائی ۱۹۶۸ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد نمبر ۲۲۵۳ کے ذریعہ یروشلم پر اسرائیلی قبضہ کو غیر قانونی اور ناجائز قرار دیا، اور یہ کہا گیا کہ اسرائیل ہر ایسے اقدام سے باز رہے جو یروشلم کی حیثیت کو تبدیل کرتا ہو۔

۱۳ سال اسی طرح گزر گئے، ۱۹۸۰ء میں اسرائیل نے اقوام متحدہ کی تمام قراردادوں کو پیروں تلے

روندتے ہوئے اعلان کر دیا کہ یروشلم اس کا دارالحکومت ہوگا، اور ساتھ ہی اس نے تمام ممالک سے خواہش کی کہ وہ اپنے سفارت خانے یروشلم منتقل کریں، اسرائیل کے اس اعلان کے ساتھ ساری دنیا میں بھونچال آ گیا، عرب ملکوں کی تنظیم او آئی سی نے اعلان کر دیا کہ جو ملک اپنا سفارت خانہ یروشلم منتقل کرے گا سارے مسلم ملکوں سے اس کے سفارت خانے اور سفارتی تعلقات منقطع کر لئے جائیں گے، پھر اقوام متحدہ نے ۳۰؍جون کو قرارداد نمبر ۴۷۶ اور ۲۰؍اگست ۱۹۸۰ء کو قرارداد نمبر ۴۷۸ پاس کی، جس کے تحت اسرائیل کے اقدام کو بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی قرار دے کر تمام ممالک سے کہا گیا کہ وہ اقوام متحدہ کے فیصلہ کو مانیں، اور کوئی ملک اپنا سفارت خانہ یروشلم نہیں لے جائے گا، اقوام متحدہ کی اس قرارداد کے بعد بعض وہ ممالک جنھوں نے اپنا سفارت خانہ یروشلم کو منتقل کیا تھا پھر تل ابیب لے آئے، امریکہ کو بھی ہمت نہ ہوسکی کہ وہ اپنا سفارت خانہ یروشلم منتقل کرے، دسمبر ۱۹۸۰ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اسرائیل کے اس اقدام کو غیر قانونی اور جنیوا کنونشن کی خلاف ورزی قرار دیا، پھر ۱۹۹۰ء میں جب اسرائیل نے مسجد اقصیٰ میں مسلمانوں پر تشدد کیا تو سلامتی کونسل نے ۱۲؍اکتوبر کو قرارداد نمبر ۶۷۶ کے ذریعہ اسرائیل کو بین الاقوامی قوانین کی پامالی کا مرتکب ٹھہرایا، اور یہ کہا کہ یروشلم اسرائیل کا حصہ نہیں ہے، یروشلم کی حیثیت کی تعیین کے لیے ۲۰۰۴ء میں یہ معاملہ عالمی عدالت میں بھی پیش کیا گیا، اور عالمی عدالت نے بھی صراحت کردی کہ یروشلم اسرائیل کا حصہ نہیں ہے، اس میں مزید یہ بھی کہا گیا کہ اسرائیل یروشلم میں دیوار تعمیر نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ یہ اس کا حصہ نہیں ہے، حیرت ہے کہ جس یروشلم میں عالمی عدالت نے دیوار تک تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی آج امریکہ وہاں اپنا پورا سفارت خانہ لے جانا چاہتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ فلسطین کے خلاف سازش میں خود اقوام متحدہ بھی برابر کی شریک ہے؛ اس لیے کہ برطانیہ کے ساتھ مل کر اقوام متحدہ کا فلسطین کو تقسیم کرنا خود ایک ظالمانہ فیصلہ تھا، فلسطین کی مکمل سرزمین مسلمانوں کی ہے، اسے تقسیم کر کے اس کے ایک حصہ کو صہیونیوں کے حوالے کرنا اور یروشلم کو مکمل فلسطینیوں کے حوالے کرنے کے بجائے اسے بین الاقوامی شہر قرار دے کر متنازع بنا دینا اقوام متحدہ کا سنگین جرم ہے، یروشلم کے تعلق سے اسرائیل کی اس حکمت عملی کا اصل مقصد مسجد اقصیٰ کا انہدام اور اس کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر ہے، اقوام عالم جب بیت المقدس کو اسرائیلی راجدھانی تسلیم کرلیں گے تو اسرائیل کے لیے مسجد اقصیٰ کو ڈھا کر اس کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر آسان ہو جائے گی، یروشلم سے متعلق امریکی صدر کے حالیہ اقدام کا سب سے شرمناک پہلو یہ ہے کہ ٹرمپ کے اس اقدام کو پس پردہ عرب حکمرانوں کی مکمل تائید حاصل ہے؛ بالخصوص بعض عرب ممالک کے شرمناک کردار پر بے شمار شواہد موجود ہیں، میڈیا کے بعض ذرائع نے انکشاف کیا ہے کہ

امریکی انتظامیہ نے مقبوضہ بیت المقدس کو اسرائیل کا باضابطہ دارالحکومت تسلیم کرنے سے قبل چند مسلم ممالک کے سربراہان سے مشاورت کی تھی، اس بات کا انکشاف خود اسرائیلی ٹی وی چینل ۱۰ نے اپنے ایک پروگرام کے دوران کیا، یہ کس قدر شرمناک بات ہے کہ ٹرمپ کے حالیہ فیصلہ سے قبل بعض عرب ملکوں کے عہدیداروں نے تل ابیب کا خفیہ دورہ تک کیا، تف ہے ان حکمرانوں پر جو اسلامی مقدسات کا تک سودا کرنے سے نہیں چوکتے، انھیں فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی سے کچھ تو عبرت لینی چاہیے، سلطان سے جب پوچھا گیا کہ آپ مصر، شام اور لبنان کے سلطان ہیں؛ لیکن کبھی آپ کو مسکراتے نہیں دیکھا گیا؟ انھوں نے جواب دیا: میں کیسے مسکراؤں، جب کہ بیت المقدس عیسائیوں کے قبضہ میں ہے، ایک مرتبہ نجومیوں نے بتایا کہ اگر آپ نے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی تو آپ کی ایک آنکھ ضائع ہوسکتی ہے، سلطان نے جواب دیا: تم میری ایک آنکھ کی بات کرتے ہو، خدا کی قسم مجھے بیت المقدس میں اندھا ہوکر داخل ہونا پڑے تب بھی میں بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کروں گا۔

بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ ساری امتِ مسلمہ کا مسئلہ ہے، حکمرانوں کی سطح پر بھی متحرک ہونے کی ضرورت ہے، اور عام مسلمانوں کو بھی اپنی ذمہ داری نبھانے کی ضرورت ہے، عالم اسلام کو چاہیے کہ وہ واضح لفظوں میں دنیا کے سامنے اپنا موقف رکھے کہ مسجد اقصیٰ ہمارا قبلۂ اول ہے، ہم کسی بھی صورت میں اس سے دست بردار نہیں ہوسکتے، اور بیت المقدس کو اسرائیلی دارالحکومت بننے نہیں دیں گے، اسی طرح عالم اسلام اقوام متحدہ پر دباؤ ڈالے کہ وہ فلسطین کو ایک مستقل علیحدہ ریاست ہونے کا اعلان کرے اور بیت المقدس کو اس کا دارالخلافہ تسلیم کرے، مسلم حکمرانوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ فلسطینیوں کو اخلاقی اور مادی تعاون پیش کریں اور بھرپور اتحاد کا مظاہرہ کریں، اور عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلہ کی حقیقت کو خود بھی سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں، نیز اسرائیلی اور امریکی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ سے خوب دعا کا اہتمام کریں، نیز اپنے معاشرے کی اصلاح اور احکامِ الٰہی کی پابندی کریں، یہ حقیقت ہے کہ جب تک خود مسلمانوں میں دین پر استقامت نہیں آئے گی تب تک مسجد اقصیٰ کی بازیابی ممکن نہیں، جب اسرائیل کی سابق وزیر اعظم گولڈ مائیر سے پوچھا گیا کہ کیا مسلمان یہودیوں پر پھر غالب آسکتے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں، لیکن اس وقت جب مسلمانوں کی تعداد نماز فجر میں اتنی ہی ہونے لگے، جتنی جمعہ میں ہوتی ہے۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

ادارہ

اگلے سال حج کے لئے ابھی اضلاع وریاستوں میں درخواستیں جمع ہورہی ہیں، اخبارات میں یہ خبریں نظر سے گذریں تو معلوم ہوا کہ حالیہ دنوں میں "حکومتِ ہند نے ۴۵ سال سے زائد عمر کی خاتون کو بلامحرم حج کے لئے روانگی کی اجازت دی ہے" اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اب تک 1000 درخواستیں ایسی خواتین کی جمع ہوئی ہیں جو بلامحرم حج کرنے کی خواہاں ہیں، اور یہ تعداد روزافزوں ہے؛ یہ احکام حج سے متعلق ایک اہم مسئلہ ہے کہ عورت بلامحرم حج کرسکتی ہے یا نہیں؟ ذیل میں اسی مسئلے کے متعلق کچھ احکام "کتاب المسائل جلد سوم" سے ذکر کئے جارہے ہیں تاکہ امت مسلمہ کی خواتین احکامِ شریعت کا پاس ولحاظ رکھ کر حج جیسے عظیم الشان فریضہ کی ادائیگی کی فکر کریں، کیوں کہ ایسا ہی حج مقبول ومبرور ہوتا ہے۔ (از: مرتب)

عورت پر حج کی فرضیت:

عورت پر حج کی فرضیت کی وہی شرائط ہیں جو مردوں کے لئے ہیں، یعنی تندرست ہونا اور مالی وسعت کا ہونا وغیرہ؛ البتہ عورت کے لئے مزید شرط یہ ہے کہ وہ اپنے حج کے اخراجات کے ساتھ محرم یا شوہر کے حج کے اخراجات کی بھی مالک ہو؛ لہٰذا اگر اس کے پاس صرف اپنے حج کے بقدر مال ہے تو اس پر راجح قول کے مطابق حج فرض نہیں؛ تاہم اگر وہ کسی محرم یا شوہر کے ساتھ اسی روپیہ سے حج کو چلی گئی تو اس کا حج فرض ادا ہوجائے گا۔
(شامی زکریا: ۳/ ۴۶۴)

محرم ملنے کی صورت میں شوہر بیوی کو حج فرض سے نہیں روک سکتا

اگر عورت پر حج فرض ہوچکا ہو اور اس کے ساتھ جانے کے لئے کسی قابلِ اعتماد محرم کا انتظام بھی ہو تو شوہر اسے فرض سفر حج سے منع نہیں کرسکتا؛ لیکن اگر نفلی حج ہو تو شوہر کو منع کرنے کا حق ہے۔ (فتح القدیر: ۲/ ۴۲۸)

شوہر کا عورت کو نامحرم کے ساتھ حج فرض سے روک دینا

اگر عورت نے نامحرم کے ساتھ فریضہ حج کے سفر کا ارادہ کرلیا ہو تو شوہر کو حق ہے کہ وہ اُسے سفر حج سے روک دے؛ تاہم ایسی صورت میں اس عورت کا احرام قربانی (یا اس کے قائم مقام صدقے یا روزے) کے بغیر نہیں کھولا جائے گا۔ (غنیۃ الناسک: ۱۰۳)

شوہر کا بیوی کو نفل حج سے روک دینا

اگر عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل حج کا احرام باندھ لیا تھا پھر شوہر نے اُسے سفر سے روک دیا تو ایسی صورت میں شوہر کو حق ہے کہ وہ فی الحال بیوی کا احرام کھلوادے اور اس کی وجہ سے عورت پر ایک دم اور ایک حج اور عمرہ کی قضا واجب ہوگی، جس کی ادائیگی بعد میں اس پر لازم ہوگی۔ (غنیۃ الناسک: ۳۱۵)

محرم کا مامون ہونا شرط ہے

عورت کے ساتھ جانے والا محرم ایسا ہونا چاہئیے جو خود ثقہ اور پاک باز ہو اگر وہ مامون نہ ہو یا اس کے ساتھ جانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کے ساتھ حج کو جانا عورت کے لئے جائز نہ ہوگا۔ (غنیۃ الناسک: ۲۶)

ساس کا داماد کے ساتھ سفر

اگر ساس عمر دراز ہو اور کسی فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو وہ اپنے داماد کے ساتھ سفر حج میں جاسکتی ہے لیکن جوان ساس کا داماد کے ساتھ سفر میں جانا فتنہ کے خطرہ کی وجہ سے ممنوع ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۲۸)

حج کے لئے تنہا عورتوں کا قافلہ

تنہا عورتوں کی جماعت بنا کر حج کے لئے جانا جائز نہیں ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۲۶)

عورت کا بغیر محرم یا شوہر کے حج کرنا

اگر کوئی عورت محرم یا شوہر کے بغیر دور دراز سفر کر کے حج کو جائے اور حج کے تمام ارکان اور مناسک ادا کر لے، تو اگر چہ وہ مکروہ تحریمی کے ارتکاب کی وجہ سے سخت گنہگار ہوگی؛ لیکن اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔

(غنیۃ الناسک: ۲۹)

بوڑھی عورت کا نامحرم کے ساتھ سفر حج

یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ جب تک محرم یا شوہر ساتھ جانے والا نہ ملے عورت پر حج کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی؛ لیکن اگر کوئی عورت بوڑھی ہو اور فتنہ کا بظاہر اندیشہ نہ ہو اور اس پر مالی اعتبار سے حج فرض ہو چکا ہو تو آیا وہ کسی نامحرم کے ساتھ سفر حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں فقہ کی عام کتابوں میں ممانعت لکھی ہے اور صراحت کے ساتھ بوڑھی عورت کو بھی بلا محرم سفر حج کرنے سے منع لکھا گیا ہے۔ (مناسک ص: ۵۶) تاہم بعض اکابر مفتیان کرام کی عبارات اور فتاویٰ سے ۶۰، ۷۰ سال کی بوڑھی عورت کو بلا محرم قابل اعتماد لوگوں کے قافلہ کے ساتھ سفر کی اجازت ثابت ہوتی ہے، اس لئے فتنہ سے مکمل حفاظت کے وقت خاص حالات میں اس کی گنجائش ہوگی۔ (انوارِ مناسک: ۱۷۷، ۱۷۸)

نوٹ: لیکن سفر حج میں قدم قدم پر سہارے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے احتیاط بہر حال اسی میں ہے کہ کوئی بھی عورت خواہ جوان ہو یا بوڑھی، وہ بغیر محرم یا بغیر شوہر کے سفر حج کا ارادہ نہ کرے۔ (مستفاد: فتح الملہم: ۳/۶۷۶)

خبرنامہ

عالمِ اسلام کی خبریں

✷ سفارتخانہ یروشلم منتقل کرنے گوئٹے مالا کا فیصلہ، شرمناک اقدام: وزارت خارجہ فلسطین، اسرائیل کے نئے آبادیاتی منصوبے کے سنگین مضمرات کا انتباہ: فلسطین کا ردعمل (روزنامہ منصف ۲۶ر ڈسمبر ۱۷ء)

✷ جمعہ کو ''یوم غضب'' میں ہزاروں فلسطینیوں کی شرکت (روزنامہ منصف ۱۶ر ڈسمبر ۱۷ء)

✷ بیت المقدس فلسطین کا دارالحکومت قرار؛ سفارت خانہ کھولیں گے۔ ترکی (منصف ۱۹ر ڈسمبر ۱۷ء)

✷ تبوک یونیورسٹی میں خواتین کو ڈرائیونگ سکھانے والا پہلا اسکول قائم (روزنامہ منصف ۱۵ر ڈسمبر ۱۷ء)

✷ روہنگیا مسلمانوں کی قاتل سوچی سے آکسفورڈ نے انعام واپس لے لیا۔ (اعتماد، ۲۹ر نومبر ۱۷ء)

✷ روہنگیا پناہ گزیں مسلمانوں کی حالت دیکھ کر رونا آگیا۔ پوپ فرانس (روزنامہ اعتماد، ۴ر ڈسمبر ۱۷ء)

✷ القدس کی آزادی کے لئے مسلمانوں کے عزم میں اضافہ: امام کعبہ۔ (روزنامہ اعتماد، ۱۷ر ڈسمبر ۱۷ء)

✷ ہماری سلامتی حکمتِ عملی ''واحد ملت، واحد پرچم، واحد وطن'': اردگان۔ (منصف، ۲۱ر ڈسمبر ۱۷ء)

✷ امریکی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، انڈونیشیائی علماء کا مطالبہ۔ (روزنامہ منصف، ۱۸ر ڈسمبر ۱۷ء)

✷ راج مندری کی مسجد میں نائب امام کا قتل، قرآن مجید کی بے حرمتی، مسلمانوں کا سخت احتجاج۔

(اعتماد، ۳۰ر ڈسمبر ۱۷ء)

✷ دفاعِ فلسطین کے اسلامی فوج تشکیل دیں، تمام مسلم ممالک امریکہ کا بائیکاٹ کریں، فلسطینی علماء کی اپیل۔ (منصف، ۳۰ر ڈسمبر ۱۷ء)

✷ یہودی آبادکاروں اور عہدیداروں کی قبلہ اول کی بے حرمتی۔ (روزنامہ سیاست، ۲۸ر ڈسمبر ۱۷ء)

✷ امریکہ کی جانب سے فلسطین کو دارالحکومت کے لئے متبادل جگہ کی پیش کش، بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنے کی چال اور فلسطین کی جدوجہد آزادی کو ختم کرنے کی کوشش ہے۔

(روزنامہ منصف، ۲۸ر ڈسمبر ۱۷ء)